بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا یٰسین اختر مصباحی

تعمیر سے تخریب تک

تحریر

محمد ناصر مصباحی

ناشر

مجلس فکر اسلامی، رامپور

(جھلکیاں)

مصباحی صاحب کی خیالی اور جدالی تحریروں میں مزاحیہ نگاروں کے خیالی کیریکٹروں لاغر مرادآبادی اور لق لق دہلوی کی طرح ہی ایک مجہول ''معتبر راوی'' ہوتا ہے جس کے سہارے وہ اپنے انشائیے کو دل چسپ بناتے ہیں۔ (خوشتر نورانی)

مصباحی صاحب کی یہ غیر سنجیدہ اور متکبر طبیعت پچھلے چند سالوں میں بڑی واضح ہو کر سامنے آئی ہے کہ وہ جس کے پیچھے پڑ جائیں اُسے ٹھکانے لگا کر رہیں گے۔ یہی متکبرانہ ضد اُنہوں نے بریلی - مبارک تنازع کے دنوں سخت گیر بریلویوں کے خلاف پکڑ لی تھی۔ جب کہ اپنی اسی ضد میں آکر موصوف پوری طرح صوفی کانفرنس کے پیچھے پڑ گئے۔ (ناصر مصباحی)

حضرت مصباحی صاحب قبلہ گذشتہ چند سالوں میں بریلی کی مرکزیت کے خلاف اور اب اُس کی بحالی کے لیے جس انداز میں کوشاں ہیں، اُسے دیکھتے ہوئے اُن کے سبھی خیر خواہ اُن کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں۔ (ناظم اشرف مصباحی)

''سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس میں فرق'' کے عنوان سے ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کی تحریر پڑھ کر اندازہ لگا کہ صوفی کانفرنس کے حوالے سے کچھ بلیاں تھیلے سے باہر آگئی ہیں اور کچھ دھیرے دھیرے باہر کا موسم دیکھ کر آ رہی ہیں۔ (ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی)

MAJLIS E FIKRE ISLAMI, HAZRATPUR, TOPKHANA, RAMPUR (UP)I

مجلس فکر اسلامی، حضرت پور، توپ خانہ، رامپور۔ یوپی۔ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا یٰسین اختر مصباحی

تعمیر سے تخریب تک

تحریر

محمد ناصر مصباحی

ناشر

مجلس فکر اسلامی، رامپور

نام کتاب: مولانا یٰسین اختر مصباحی: تعمیر سے تخریب تک

تحریر : محمد ناصر مصباحی

صفحہ آرائی: مزمل حسین جمالی

صفحات :

تعداد :

سنہ اشاعت:

ناشر : مجلس فکر اسلامی، حضرت پور، توپ خانہ، رامپور۔

فہرستِ مضامین

ورلڈ صوفی فورم (17 تا 20 مارچ 2016)

مصباحی صاحب کے مفروضہ اعتراضات

مولانا خوشتر نورانی

مدیر ماہ نامہ جام نور، نئی دہلی

مولانا یٰسین اختر مصباحی کی گھر واپسی

مولانا سید تنویر ہاشمی پر بغضِ معاویہ کے اتہام کے تناظر میں

ناظم اشرف مصباحی

جامعہ ہاشم پیر، بیجاپور، کرناٹک

حرفِ آغاز

پیشِ نظر کتاب کی تحریر واشاعت پر بہت سے احباب کو حیرت ہوگی۔ بلاشبہ یہ تحریر جماعتِ بریلی کے ایک بڑے عالمِ دین کے خلاف ہے۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ میں نے بظاہر ایک گستاخانہ انداز کی جرات کی ہے۔

جہاں تک تحریر سے ہماری منشا ہے تو اس سے فتنہ دبانا مقصود ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ زہر ہمیشہ میٹھی چیز میں ملا کر دیا جاتا ہے۔ کسی کو دھوکہ دیا جاتا ہے تو پہلے اس کا بھروسا جیتا جاتا ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو گم راہ یا مبتلائے فتنہ کیا جاتا ہے تو پہلے عظمت وتقدس کا لبادہ اوڑھا جاتا ہے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی یقیناً جماعتِ بریلی کے معروف عالم دین ہیں۔ فکر وقلم کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد ایک بڑے حلقے میں ایک معتدل اور سنجیدہ بریلوی عالم دین کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ دہلی میں دارالقلم کے نام سے ایک بڑے منصوبے کی طرف پیش رفت نے آپ کی فکری وتعمیری شخصیت کو مزید استحکام بخشا۔

مگر 2004ء کے بعد جب دارالقلم، زمین کی فراہمی کے بعد تعمیر کے مراحل سے بھی خاطر خواہ گزر گیا، آپ کی توجہ نہ دارالقلم کے مزید ترقی واستحکام پر رہی، نہ اُس کے اصل منصوبوں کو تکمیل آشنا کرنے پر، بلکہ سچ پوچھیے تو سامنے کوئی منصوبہ ہی نہ رہا۔ جب کہ زندگی ہر پل جدو جہد چاہتی ہے تبھی وہ کسی سماج کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نہیں، بلکہ بیدار دنیا کی روشن آنکھوں سے آنکھیں ملا کر کسی شخص کو حقیقی شخصیت بناتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ اِس failure کے بعد آپ ہلکی پھلکی اور روایتی مصروفیتوں کی طرف متوجہ رہنے لگے جو دراصل ساکھ برقراری کے درجے میں آتی ہیں۔

لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ جلد ہی مزید مذاقِ فکر بدلا اور جماعتی اختلافات میں پڑ گئے اور اس سلسلے میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ حدوں کو تجاوز کر ڈالا۔ حتیٰ کہ پے در پے کوششوں کے بعد اِس میدان کے شہسوار بن گئے۔

ہمیں مصباحی صاحب سے شکوہ ہے کہ وہ دارالقلم کے نام سے ایک بڑے مشن میں فلاپ رہنے کے بعد ساکھ برقراری کے جذبات کے زیرِ اثر غیر سنجیدہ حرکات پر آمادہ ہوگئے اور جماعت پر گھٹیا درجے کی حاویت چاہنے لگے۔

پیشِ نظر تحریر ازحد صبر کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے۔ جماعتی محاذ آرائی پر ناقابلِ برداشت چھچھوراپن برداشت کرنے کے بعد صوفی کانفرنس کے تقدس پر دست درازی ہمارے لیے حقیقتاً صبر شکن واقع ہوئی۔ دراصل بریلوی جماعت کی مجموعی طور پر یہ بڑی کم زوری رہی ہے کہ اُسے اختلاف نہیں آتا، وہ اتفاق کرسکتی ہے یا مخالفت۔ صوفی کانفرنس کے دنوں مولانا یٰسین اختر مصباحی نے جماعت کی اِس کم زوری کا جم کر مظاہرہ کیا۔ حالاں کہ موصوف نے اول اول خود کو اختلاف تک محدود رکھنے کا بھی تکلف کیا، مگر اپنی چال بھول کر ہنس کی چال کب تک چلی جاسکتی تھی۔

مجھے یہاں ایک فاضل دوست کا تبصرہ یاد آرہا ہے کہ اگر کسی شخص کے اندر فطرت کا کوئی حصہ چھپا رہ گیا ہے تو ضرور ایک نہ ایک دن قدرت اُسے ظاہر کردیتی ہے۔ بقول دوست، مولانا یٰسین اختر مصباحی فطرتاً اتنے سنجیدہ نہیں ہیں، جتنا لوگ اُنھیں سمجھتے ہیں۔ ناچیز اِس کو دوسرے لفظوں میں تعبیر کرتے ہوئے عرض گزار ہے کہ پیشِ نظر تحریر پر بعض احباب کو جو تشویش ہے وہ دراصل مصباحی صاحب سے ادھورا تعارف رکھنے کے باعث ہے۔

دراصل مصباحی صاحب کی یہ غیر سنجیدہ اور متکبر طبیعت پچھلے چند سالوں میں بڑی واضح ہوکر سامنے آئی ہے کہ وہ جس کے پیچھے پڑجائیں اُسے ٹھکانے لگا کر رہیں گے۔ یہی متکبرانہ ضد اُنہوں نے بریلی-مبارک تنازع کے دنوں متشدد بریلویوں کے خلاف پکڑ لی۔ جب کہ اپنی اسی ضد میں آکر موصوف پوری طرح صوفی کانفرنس کے پیچھے پڑگئے۔

صوفی کانفرنس پر اختلاف سے بہت جلد مخالفت بلکہ جنونی مخالفت پر اُتر آئے۔ ایک ضدی اور انا پسند شخص کو ناکامی کی جھلاہٹ کیا کچھ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی ہے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ مصباحی صاحب کو اپنی کوششوں میں جیسے جیسے ناکامی کا احساس ہوتا گیا، ویسے ویسے علمی ہی نہیں، اخلاقی حدود تک کو تجاوز کرتے گئے۔ پہلے اختلاف، پھر مخالفت اور اُس کے بعد سوءِ ظن کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔

موصوف نے جماعتِ اہلِ سنت کی کئی بڑی مذہبی شخصیات مثلاً علامہ ارشد القادری، مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی، مولانا سید تنویر ہاشمی کے خلوصِ نیت، عزتِ نفس بلکہ بسا اوقات ایمان وسنیت پر حملے کیے اور طرح طرح سے کاری ضربیں لگائیں۔ جب کہ زبان پر کنٹرول کھوتے ہوئے اصاغر میں کسی کو حرامی کہا تو کسی کو حرام الدہر، کسی کو مخبوط الحواس کہا تو کسی کو سر پھرا، کسی کو زرخرید کہا تو کسی کو بھاجپا نواز مولوی۔

غرض، یہ سب دیکھ کر ہمیں لگا کہ اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔ اگر فوراً ہی مریض کو آپریشن تھیٹر میں نہیں لیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب جماعت کو ایک دقت طلب آزار کا سامنا کرنا پڑجائے گا۔ موصوف کچھ اِس طرح ''مقدس فتنہ'' کی شکل اختیار کرلیں گے کہ معتدل طبقے پر ایک متعصب بت کی پرستش کا دباؤ بڑھ جائے گا۔

میں یہاں بعض یک رخے ناقدین سے بھی کچھ عرض ومعروض کروں گا کہ جو نہ مولانا یٰسین اختر مصباحی کی حالیہ حرکتوں کی تغلیط کی اخلاقی جرات جٹا پارہے ہیں، نہ تحریرِ ہٰذا کی معقولیت، استدلال اور ضرورت کو سمجھنے کی توفیق حاصل کر پارہے ہیں، بلکہ پہلے ہی دن سے ایک فالتو رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ تحریر سے ناصر رامپوری کا مقصد حصولِ دولت وشہرت ہے وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ کیا مولانا یٰسین اختر مصباحی کے لیے علامہ ارشد القادری سینئر وا کابر علما میں سے نہیں تھے؟ مولانا نے جماعت کے اتنے بڑے اور نہایت مخلص، مسلمہ، بزرگ عالم کو ''جماعت فروش'' ٹھہرانے کی جرات کیوں کی ہے؟ اِسی طرح مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی اور مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری جہاں سادات اور مشائخ طریقت میں شمار ہیں، وہیں تاریخی خانقاہوں کے چشم وچراغ اور سماجی طور پر نہایت باوقار وباعظمت شخصیات کے مالک ہیں، اُن کی عظمتوں پر دھڑلے سے حملے کیوں کیے؟

بلکہ محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفےٰ گھوسوی جو موجودہ وقت میں نہ صرف کبیر السن عالم ہیں بلکہ بریلوی جماعت کے اکابر علما میں شمار ہیں، اُن کے تئیں گستاخیاں کیوں کیں اور اُنہیں بڑی جرات کے ساتھ '' مروانی سیاست کا فتنۂ کبیر'' سے کیوں تعبیر کیا؟

میرا شکوہ یہ نہیں ہے کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی نے مذکورہ بزرگ شخصیات سے اختلافِ رائے کیوں کیا، کیوں کہ یہ عمل، گستاخی کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ شکوہ یہ ہے کہ اُن کی نیتوں پر حملے

کیوں کیے اور اُن کی سنیت پر نشتر کیوں چلائے اور اُن کو برے القاب سے کیوں یاد کیا وغیرہ۔

لہذا ناچیز کی تحریر کو گستاخانہ قرار دینے سے قبل خوگرانِ کرم، مصباحی صاحب کے دامن پر لگے ''گستاخِ اکابرین'' کے بدنما داغوں پر وجہِ جواز پیش کرنے کی اخلاقی جرات جٹائیں، بلکہ اِس کے ساتھ مصباحی صاحب کی شرم ناک بدکلامی اور غیرت سوز بدزبانی پر، کہ جس کا صوفی کانفرنس کے دنوں مصباحی صاحب نے اپنے حریفانِ نقطۂ نظر کے خلاف، کھل کر ارتکاب کیا اور جس کی بعض مثالیں اُوپر مذکور ہوئیں، اُس پر بھی للّٰہیانہ، معقول صفائی دیں۔ بصورتِ دیگر جس نے دوسروں کے لیے کھائی کھودی، پہلے خود اُسے اُس میں گرنے دیا جائے، جو کہ قانونِ قدرت ہے، اِس میں واویلا کرنے کی اصلاً حاجت نہیں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مصباحی صاحب صوفی کانفرنس کے پیچھے پڑ گئے اور آپ مصباحی صاحب کے پیچھے پڑ گئے، تو آپ میں اور اُن میں فرق ہی کیا رہ گیا۔ جواباً عرض ہے کہ دونوں میں بڑا فرق ہے، مصباحی صاحب کام کے پیچھے پڑے اور ناچیز پیچھے پڑنے والے کے پیچھے۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ مصباحی صاحب کے عمل سے کام میں رخنہ پڑتا ہے اور کام کرنے والوں کے حوصلے ٹوٹتے ہیں۔ جب کہ ناچیز کے عمل سے کام کا رخنہ دور ہوتا ہے اور رخنہ ڈالنے والوں کے حوصلے ٹوٹتے ہیں۔ اِسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ عملِ اول، منفی اقدام ہے اور عملِ ثانی مثبت دفاع، لہذا ہر اعتبار سے فرق واضح ہے۔

ناچیز نے صوفی کانفرنس پر حملے کے جواب میں لکھنا شروع کیا مگر مسئلہ صرف صوفی کانفرنس کا دفاع نہ تھا، بلکہ اب تک کی حاصل شدہ شہرت وشناخت کے کاندھوں پر سوار ہو کر موصوف نے بذاتِ خود جو مقدس فتنے کی شکل اختیار کرنا شروع کر دی تھی، اُسے کسی قدر آئینہ دکھا کر اُس کے اثرات کم کرنا اور کنٹرول کرنا مقصود تھا۔ اِس لیے قدرے سیاق وسباق کے ساتھ فکر وشخصیت کے مجموعی تجزیے کی سعی کی گئی ہے۔

ناچیز نے خامہ فرسائی سے قبل، بعض احباب سے اپنا عزم ظاہر کیا تو لگ بھگ سب کا ملا جلا ردعمل یہی سامنے آیا کہ حالات تو ایسے ہی بنا دیے گئے ہیں کہ کچھ ضرور لکھا جائے۔ تحریر کی جہتوں کو بھی ناپسند نہیں کیا گیا۔ البتہ تحریر کے کچھ حصے سوشل میڈیا پر آجانے کے بعد بعض احباب کی طرف سے ناچیز سے بس کرنے کی بات کہی گئی جس پر ناچیز نے نہ صرف فوری قلم روک دیا بلکہ سوشل میڈیا پر مزید حصوں

کی اشاعت سے بھی گریز کیا۔ اِس کے ساتھ احباب کے مشورے پر تحریرِ ہذا کو کبھی طبع نہ کرانے کا بھی مستقل فیصلہ کر لیا۔

مگر مصباحی صاحب کے لیے اتنی خفت، باعثِ عبرت نہ بن سکی۔ موصوف نے صوفی کانفرنس کا پیچھا انعقاد کے بعد تک بھی نہ چھوڑا۔ دوسری طرف کوشش سے جملہ تحریروں کو کبھی کتابچے کی شکل میں، کبھی کسی ماہنامے کو بھیج کر خود بھی بار بار چھپوایا اور مفت تقسیم کرایا اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دی۔ حالاں کہ اِس بھاگتی دوڑتی دنیا میں ہر چیز کی طرح صوفی کانفرنس بھی آئی گئی ہو گئی۔ بعد میں اتنی دل چسپی کی ضرورت نہیں تھی۔ پس بایں وجوہات، ناچاہتے ہوئے تحریر کو پریس کے حوالے کرنا پڑا۔

نیز تحریرِ ہذا کی اشاعت کی ضرورت اس لیے بھی بڑھ گئی کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی کی صوفی کانفرنس مخالف تمام تحریروں اور کتابچوں کی طباعت واشاعت کے نتیجے میں مستقبل کے مورخ کے سامنے، ماضی کی محض ایک طرفہ معلومات ہی نہ رہے، بلکہ عمل، نقدِ عمل اور ردِ نقد سب کچھ پیشِ نظر رہے۔

بہ تعبیرِ دیگر، ایسے سمجھ لیجیے کہ صوفی کانفرنس بمنزلہ ''زلزلہ'' ہے اور اُس کے رد ومخالفت پر مشتمل درجنوں تحریروں کے محاسبانہ تنقیدی جائزے پر مشتمل کتابِ ہذا بمنزلہ ''زیر وزبر'' جو رد ومخالفت کی استدلالی کم زوریوں پر روشنی ڈالتی ہے، نیز اُسے حال کے قارئین ومستقبل کے مورخین کے سامنے بغرضِ انصاف پیش کرتی ہے۔ انصاف کی اِسی علمی وفکری ضرورت کے زیرِ احساس، کتابچے میں مولانا خوشتر نورانی، مدیر ماہنامہ جامِ نور (دہلی) محترم ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علی گڑھ) اور مولانا ناظم اشرف مصباحی (بیجاپور، کرناٹک) کی متعلقہ تحریریں بعض ذیلی وضروری سرخیوں کے اضافے کے ساتھ شاملِ اشاعت کی گئی ہیں۔

محمد ناصر مصباحی

30 دسمبر 2016 بروز جمعہ

مجلس فکر اسلامی، توپ خانہ، رامپور۔ (یوپی)

مولانا یٰسین اختر مصباحی

معتدل شبیہ کی تشکیل اور قیامِ دارالقلم

بریلوی جماعت جس روایت پسند صوفی مسلک ومشرب کے دفاع وفروغ کے نام پر اُٹھی، اُس پر کسی قدر شدت اور عدم سنجیدگی کا الزام شروع ہی سے لگتا رہا ہے۔ مگر کچھ لوگوں نے اپنے کردار وعمل سے اس دھبے کو دھونے کی کوشش بھی کی، جس میں مولانا یٰسین اختر مصباحی، بانی دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی، پچھلی کئی دہائیوں سے ہندوستانی سطح پر ایک معتبر نام رہا ہے۔

مصباحی صاحب کی ابتدائی جدوجہد بھری زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بریلوی جماعت کی شبیہ بہتر کرنے میں آپ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خوش قسمتی سے تعمیریت سراپا حضرت حافظِ ملت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے شرفِ تلمذ رہا اور قائدِ اہلِ سنت علامہ ارشدالقادری جیسی نہایت مثالی شخصیت کو لمبے وقت تک کام کرتے دیکھا، اِس کے ساتھ ہم ذوق احباب بھی اللہ نے عطا کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح طریقۂ فکر وعمل پر گامزن ہوگئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ سالوں تک تو آپ کبھی تدریس، کبھی ملازمت جیسی چیزوں سے منسلک رہے مگر جلد ہی اپنی تمام حوصلہ مندانہ توانائیوں کو سمیٹ کر اپنی مستقل ومنظّم فکری وعملی سرگرمیوں کے لیے دہلی جیسے مرکزی شہر اور قلبِ ہندوستان میں قیام پذیر ہوگئے۔ یہاں بھی قدم آسان نہیں جمے، مگر صبر واستقلال آخر رنگ لے آیا۔ دہلی میں قیام کے بعد آپ نے ''دارالقلم'' نام سے ایک ایسا عظیم فکری وعملی منصوبہ ترتیب دیا جو خاکے کی حد تک یقیناً اہلِ سنت کی تمناؤں کا مرکز ہوسکتا تھا۔ جہاں سے اہلِ سنت کی علمی وفکری سرگرمیوں کو ملکی پیمانے پر انجام دینے کے ساتھ مسلم سیاست وقیادت کے فریضے کی بھی کسی حد تک ادائیگی پیشِ نظر تھی۔

اِس عظیم منصوبے کے لیے سب سے پہلے جماعتی سطح پر ذہن سازی کی ضرورت تھی، چناں چہ 1988 سے کئی سال ذاتی خرچ سے **حجاز جدید** نامی ماہنامہ جاری کیا۔ پھر جب مالی مشکلات

درپیش ہوئیں تو یہ مجلّہ بند کر دیا گیا اور کچھ سالوں بعد منظرِ عام پر آئے نو پید اُردو ماہنامہ کنزالایمان ٹیا محل دہلی کی ادارتِ مسئولہ سنبھال کر اُس کے پلیٹ فارم سے فضا سازی کی جانے لگی۔

مصباحی صاحب کی اِس مدت میں لکھی گئیں تحریریں فکری وقلمی جولانی لیے ہوئے ہیں اور دینی وعلمی ہونے کے ساتھ ملی صحافت اور قیادت وسیاست کی بصیرت پر مشتمل رہی ہیں۔ اداریے پڑھ کر لگتا ہے جیسے اہلِ سنت کی طاقت ور قیادت کے ساتھ ملک میں عام مسلمانوں کی واحد نمائندہ شخصیت بن کر اُبھرنے کے لیے کوشش کی جارہی ہے۔

ہر چہار سمت تاثیری پریشر ڈالا جارہا ہے، فکری وقلمی رعب ودبدبہ ظاہر کر کے فضا سازی کی جارہی ہے۔ پُرعزم وباعظمت عنوانات چن چن کر خیرہ کن فکری اور قلمی جولانیاں بکھیری جارہی ہیں۔ فکر وآگہی، بصیرت وقیادت، جہاں بینی وجہاں بانی، عزم وحوصلہ، حرکت وعمل، جوش وولولہ، عقابی روح وشاہین پروازی، مستقبل بینی وحالات شناسی، بالغ نظری ومنصوبہ بندی وغیرہ کلمات کی اداریوں میں بھرمار ہے۔ غرض اِس مدت میں مسلم قوم سے جڑے، بہت سے عالمی وملکی مسائل پر خوب محنتِ قلم صرف کی ہے۔

دوسری طرف لگاتار اپنے دارالقلمی مرکزی منصوبے پر جماعت کی توجہ بھی دلاتے رہے۔ بلکہ براہِ راست اس کے لیے کئی تحریریں قلم بند کیں۔ حتیٰ کہ 1992ء کی ایک تحریر بنام ''دارالقلم دہلی کا تاریخ ساز منصوبہ'' سے متاثر ہو کر چند مخیّرین جامعہ نگر، نئی دہلی نے دو ہزار گز جگہ مفت فراہم کردی۔ رب العزت کا مزید کرم ہوا کہ چند سالوں کے اندر دارالقلم کے لیے ایک کشادہ مسجد اور دو منزلہ عمارت بن کر تیار ہوگئی۔ اب وقت آگیا تھا کہ ابتدائی شکل کے ساتھ دارالقلم کے اصل منصوبوں کا باضابطہ عملی آغاز کیا جائے۔

چناں چہ جنوری 2004ء کے ماہنامہ کنزالایمان کے اداریے میں ''فکری وقلمی منصوبے کی طرف عہد آفریں پیش قدمی'' کے نام سے دارالقلم کا ابتدائی تحریری وتصنیفی خاکہ قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔ ویسے اِس تحریر میں باضابطہ یہ تو نہیں ہے کہ فلاں سال یا مہینے سے اِس منصوبے پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ مگر تحریر کی غرض یہی ہے کہ ملک کے کسی کونے سے کوئی قابلِ لحاظ مالی معاونت کی آواز اُٹھے اور کام کا باضابطہ آغاز کیا جائے۔

اِس کے ساتھ اب تک آپ کی کئی ایک تالیفات بھی منظرِ عام پر آچکی تھیں، جن میں امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات، اور امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں وغیرہ اہم ہیں۔ بعض مضامین

خالص مسلکی نقطۂ نظر سے بھی قلم بند کیے۔ جب کہ عام ملی مسائل پر جرأت مندانہ ورہ نمایانہ فکر ونظر کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اِس طرح دارالقلم کی خاکہ سازی، حجاز جدید اور کنزالایمان کے اسٹیج سے دینی، ملی اور جماعتی و صحافتی خدمات اور کئی ایک اہم تالیفات سے آپ کی ایک روایتی مگر سنجیدہ وتعمیریت پسند قلم کار کی شبیہ اُبھر کر آئی اور آپ کی آواز پر لوگ کان دھرنے لگے۔ مصباحی صاحب کا اس سب سے صرف ایک مقصد تھا دہلی میں اپنے مرکزی منصوبہ کے قیام واستحکام میں مدد لینا۔ اپنے آپ کو ایک تعمیریت پسند اور مفکرانہ طرز کی شخصیت ثابت کر کے آپ جماعت سے دارالقلم کے عظیم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بڑی مدد چاہتے تھے۔

لیکن اِس سے آگے کی کہانی مایوس کن ہے اور وہ ہے منصوبۂ دارالقلم پر عملی اقدام نہ کرنا۔ اب تک کی حصولیابی یہ ہے کہ اللہ نے دارالقلم کے نام سے ایک آزاد، مستقل اور مضبوط پلیٹ فارم فراہم کر دیا۔ اپنوں اور غیروں میں مصباحی صاحب کو ایک ذمہ دار اور سنجیدہ تعمیری شخصیت کے طور پر بھی قبول کر لیا گیا۔ یہ بھی مان لیا گیا کہ آپ ملی ومسلکی کاموں کے لیے نیک نیت اور مخلص ہیں۔

جذباتیت وشدت سے دور، حکمت واعتدال کے حامل اور کسی طرح کے غیر ضروری شوشوں گوشوں میں نہ اُلجھ کر آپ کی نظر اپنے ہدفِ عظیم پر رہے۔ غرض اب تک ہر طرح کے ضروری تقدیرات و اعترافات آپ کو حاصل ہو چکے تھے۔ لیکن اب آگے کے لیے لگ بھگ ہر طرح کی کارگزاریوں پر مکمل بریک لگ جاتا ہے۔

جمودِ عمل کا یہ سلسلہ، قیامِ واستحکامِ دارالقلم کے بعد باضابطہ 2004 سے شروع ہوتا ہے جس کے بعد دارالقلم اور اُس کے باوقار منصوبوں کو مکمل بھلا دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دارالقلم کے نام سے جو عظیم منصوبہ مصباحی صاحب نے ترتیب دیا تھا وہ آج اہلِ محلّہ کے لیے ایک مسجد اور محلے کے مسلم بچوں کے لیے حفظ وناظرہ خوانی کا روایتی مکتب بن کر رہ گیا ہے مگر یہ کہ وہاں ایک لائبریری ہے جس میں کچھ کتابیں جمع کر لی گئی ہیں اور اس کے ساتھ مولانا یٰسین اختر مصباحی کا دہلی میں قیام وہیں ہے جہاں سے وہ اپنے ابتدائی دور کی بعض کارگر کتابوں کے علاوہ موجودہ وقت میں اپنی مزاجی تسکین پر مشتمل کتابیں، کتابچے چھاپتے رہتے ہیں۔

دارالقلم کے مکتب یا مدرسہ میں تعلیم کیسی چل رہی ہے، انتظام یا بدنظمی کیسی ہے، مصباحی صاحب کو اِس سے کوئی دل چسپی نہیں۔ اگر کبھی کوئی خیر خواہ اِس جانب توجہ دلانا چاہتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ: ''یہ تو ہم نے عوامی رابطے کے لیے کھول رکھا ہے، ہمارا مقصد یہ تھوڑی ہے''۔

ہمیں نہیں پتا کہ جن چار مخلصینِ اہلِ سنت نے جس خلوص وجذبے سے اتنی گراں قدر زمین منصوبۂ دارالقلم کے لیے فی سبیل اللہ وقف کی، وہ دکھائے گئے خوابوں اور جتائی گئی خواہشوں پر مصباحی صاحب کے کھرے نہ اُترنے سے آج کتنے شاکی یا مطمئن ہیں۔

علامہ ارشدالقادری کا ناکام منصوبۂ دہلی

مولانا یٰسین اختر مصباحی سے قبل علامہ ارشدالقادری نے بھی دہلی کے لیے عظیم منصوبہ ترتیب دیا تھا مگر بدقسمتی سے وہ بھی پوری طرح شرمندۂ تعبیر ہونے سے رہا۔ جسے جماعت ہی کے ایک مذہبی سیاسی عالم کی غیر متوقع تقریر نے ناکام بنا دیا۔ دہلی کے لیے علامہ ارشدالقادری کا منصوبہ اتنا عظیم تھا جسے واقعی اپنے دم پر یا صرف عوامی چندے سے کر پانا از حد مشکل تھا۔

چناں چہ اس کے لیے آپ نے حکومتِ وقت سے مالی امداد کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں اور بالآخر کئی مواقع پر ناکامی کے بعد اُس وقت کی کانگریس حکومت سے بڑی مالی مدد کے حصول کی راہ فراہم کر لی تھی۔ اُن دنوں بابری مسجد کی شہادت میں مجرمانہ رول ادا کرنے والی مرکزی حکومتِ کانگریس سے ملک کے مسلمان ناراض چل رہے تھے اور دو سال بعد 1996ء کے لوک سبھا کے انتخابات میں سبق سکھانا چاہتے تھے۔

جس کے پیشِ نظر کانگریس نے فیصلہ کیا کہ کچھ بااثر مسلم علما کے توسط سے عام مسلمانوں کے غصہ کو ٹھنڈا کر کے اپنے حق میں ہموار کیا جائے۔ علامہ ارشدالقادری کا مسئلہ یہ تھا کہ آپ کانگریس سے نسبتاً قریب تھے، اِس کے ساتھ جملہ بریلوی مدارس وعلماے مدارس نیز بہت سی سُنّی صوفی خانقاہوں سے بھی جڑے ہوئے تھے اور اُن پر اپنے اثرات رکھتے تھے۔ لہٰذا کانگریس نے آپ سے رابطہ کر کے اپنی سیاسی غرض آپ کے سامنے رکھی۔

علامہ کا مزاج یہ تھا کہ جہاں جاتے کاموں کے انبار لگاتے جاتے، جتنا سوچتے، اُتنا کام کرتے جاتے، آپ نہ صرف ایک بڑے مفکر تھے، بلکہ نہایت بڑے منصوبہ ساز اور اُس سے بھی بڑے عملی مجاہد تھے۔ دنیا میں چل پھر کر اُس کو اتنا دیکھ سمجھ لیا تھا کہ اُس کی آئندہ کی چالیں سمجھنے میں دیر نہیں لگتی تھی۔ آپ کا خیال تھا کہ کانگریس نے اگر چہ ایک بڑا جرم کیا ہے مگر ہندوستانی مسلمانوں کے پاس کانگریس کا متبادل نہیں۔

کانگریس مسلمانوں کے لیے بلا ہے مگر دوسری سیاسی پارٹیوں کے مقابلے کسی قدر اخف البلیات جیسی ہے اور مسلمان قدرے جذباتی ہو کر علاحدگی بھی کرتے ہیں، مگر آگے چل کر جلد ہی کسی دوسری سیاسی پارٹی کی بہ نسبت کانگریس ہی سے جڑے رہنے میں اپنی بھلائی سمجھیں گے۔ لہٰذا اگر کانگریس کو وقت رہتے اپنے جرم کا احساس ہو چلا ہے اور وہ مسلمانوں سے معافی تلافی چاہتی ہے تو کیوں نہ اُس کی اِس معافی تلافی کو دینی مفاد میں بدل لیا جائے اور کیوں نہ وقتی اور آتے جاتے سیاسی حالات سے فائدہ اُٹھا کر دین وسنیت کا دہلی میں اتنا بڑا اور پائدار کام کر ڈالا جائے جس سے مسلمانانِ اہلِ سنت عرصے تک فیضیاب ہوتے رہیں۔

سنی کانفرنس کے ذریعے آخری ناکام کوشش

چناں چہ کہ علامہ ارشد القادری نے دہلی میں ایک عظیم الشان نیم مذہبی اجلاس بنام ”آل انڈیا سنی کانفرنس“ کے انعقاد کا فیصلہ کیا جس کا مقصد محتاط انداز میں کانگریس کی حمایت کرنا تھی۔ کانگریس نے اِس اہتمام کے بدلے عظیم الشان سنی کالج یا سنی مرکز کے قیام کے لیے دہلی میں علامہ کو ایکڑوں پر مشتمل بے حد قیمتی زمین اور اُس کی تعمیر کے لیے کروڑ روپے کیش کی پیش کش کی تھی۔ علامہ نے اِس اجلاس کے لیے بڑی محنتیں کیں۔ بہت سے علما و مشائخ کو مدعو کیا۔ بریلوی جماعت کے لگ بھگ سارے بڑے علما و مشائخ اِس کانفرنس میں مدعو اور شریک تھے۔

اجلاس میں خصوصی خطاب کے لیے مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کو منتخب کیا جن کا اُس وقت سیاست میں طوطی بول رہا تھا۔ اجلاس میں تقریر کے لیے مولانا عبید اللہ خاں نے مائک سنبھالا، تو نہایت غیر متوقع

طور پر اُلٹے کانگریس اور نرسمہا راؤ پر برس پڑے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ پورا اجلاس بے نتیجہ رہا۔ نہ اس سے کانگریس کو کچھ فائدہ ہوا اور نہ دہلی میں عظیم سنی مرکز کے قیام کے علامہ کے عظیم دینی منصوبے کے تئیں کچھ مدد دستیاب ہوئی۔ آج جب کہ علامہ ارشد القادری، علیہ الرحمہ ہیں، ذاکر نگر، نئی دہلی کے اندر جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ہی حضرت علامہ کے خوابوں اور خواہشوں کی آدھی ادھوری شکل تصور کی جاتی ہے۔

ہم دہلی میں جماعت کے ان دو بڑے چھوٹے مفکروں کی دو بڑی ناکامیوں کے پس پردہ اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علامہ ارشد القادری کے منصوبے کی ناکامی میں سرتا سر دوسروں کا ہاتھ ہے بلکہ دوسروں نے آکر کام بگاڑا ہے جس کا صدمہ لیے آپ اِس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یعنی علامہ اپنے منصوبۂ دہلی کی ناکامی میں خود کسی طور ذمہ دار نہیں، نہ جماعت ذمہ دار ہے۔ ذمہ دار صرف شخصِ واحد ہے۔

بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ علامہ کے منصوبوں پر پانی پھیرنے کے لیے کچھ مخصوص لوگوں نے سازش رچی تھی۔ وہ چاہے سیاسی سطح کے ہوں اور نہ چاہتے ہوں کہ کانگریس مسلمانوں کے ووٹ پھر سے حاصل کر سکے۔ یا پس پردہ بعض وہابی مزاج افراد ہوں اور سنی بریلویوں کی اتنی بڑی منصوبہ بند کامیابی کے تصور سے گھبرا رہے ہوں۔

یا پھر دخل مقدر کے طور پر خود بریلوی جماعت سے منسلک کچھ چہرے ہوں جو اپنے نجی مفادات کے تحت نہ چاہتے ہوں کہ دہلی کو علامہ اتنے باثر اور طاقت ور طریقے پر فتح کرلیں کہ بقیہ کے لیے اُبھار کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ یعنی ہمارے خیال میں علامہ کی کوششوں کو ناکام کرنے کی سازش کے پس پردہ، کچھ خاص دماغوں پر مشتمل کسی خاص لابی کا ہاتھ ہوسکتا ہے جس نے ظاہری طور پر استعمال صرف شخصِ واحد کا کیا ہو۔ معاف رکھا جائے تو ہمیں بعض بظاہر اپنے ہی آستین کے سانپوں پر گہرا شبہ ہوتا ہے۔

منصوبۂ دارالقلم کی ناکامی کے اسباب

مولانا یٰسین اختر مصباحی کے منصوبۂ دارالقلم کی ناکامی کے تئیں سرسری اور آسان الزام تو قوم کی بے حسی کو دیا جاسکتا ہے، مگر حقیقتاً اس کے لیے مولانا کی کم زور صلاحتیں ذمہ دار ہیں۔ مولانا یٰسین اختر

مصباحی کسی قدر فکری اور نظریاتی شخصیت رہے ہیں، عوام سے جڑے زمینی اور عملی نہیں۔ موصوف نے اپنے ذہنی منصوبوں کی زمینی سطح پر تکمیل کے لیے ایک بہت بڑی غلطی یہ کی کہ آخر تک صرف قلم اور صحافت پر بھروسا کرتے رہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا بار بار لوح وقلم کی اہمیت جتا رہے ہیں، اپنے منصوبے اور خاکے لوگوں کو بتا رہے ہیں مگر براہِ راست قوم کے پاس نہیں جا رہے ہیں۔ لوگ بھی مسلسل مولانا کی تحریرات کو پڑھ رہے ہیں، جذبات کو دیکھ سمجھ رہے ہیں، تسلیمِ خلوص کر رہے ہیں مگر اُن کا بیانِ حال یہ ہے کہ ٹھیک ہے مگر بتائیے کیا کریں، ہمارے لائق کوئی خدمت!

مولانا نے شاید تاریخ کے حوالے سے بعض ایسے لوگوں کو پڑھ کر اُن کو آئیڈل بنا رکھا تھا کہ جن کی فکروں یا تحریروں سے حالات کے دھارے عہد ساز طریقے پر بدل گئے۔ اگر ایسا ہے تو اِس مطالعے میں موصوف سے بایں طور خطا ہوئی کہ تاریخ کے بعض مثالی کرداروں کے ظاہر یا غالب پہلو کو اُن کی کامیابی کا سببِ واحد تصور کر لیا گیا۔ موصوف نے اُن کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا گہرائی اور دقیق نظر سے مطالعہ نہیں کیا جس کے باعث نتیجہ اخذ کرنے اور اُسے دارالقلم پر apply کرنے میں خطا واقع ہوئی۔

اِس کے ساتھ مصباحی صاحب کی فکر وتحریر میں فیصلہ کن رول ادا کرنے والی تخلیقیت بھی نہیں رہی جب کہ دھارے ایسے ہی فکر وخیال سے بدلتے ہیں۔ بلکہ گہرا، سنجیدہ تجزیہ بتاتا ہے کہ فکر وتدبیر پر رائد کے بجائے صارف روایت پرستی کی حکمرانی قائم ہے جو ہزار کوشش کے باوجود تسلط نہیں چھوڑتی، کہ آدمی کچھ خیرِ جدید یا خیرِ مزید برآمد کر کے ملت وسماج کے لیے حقیقی قائد ورہنما ثابت ہو سکے۔

بلکہ ''نقوشِ فکر'' کے مطالعے سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ علمی وفکری قد سے بڑھ کر شخصیت کا مظاہرہ اور سسٹم کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ خاص دارالقلم کے نام پر جو منصوبہ ترتیب دیا گیا، وہ بھی ملک کے اندر اپنے آپ میں نیا نمونہ نہیں، مگر یہ کہ وہ بریلوی مزاج کا ہو اور مصباحی صاحب کی سربراہی میں ہو۔

مولانا نے اپنے لیے تلامذاتی سطح کے کچھ لوگ بھی تیار نہیں کیے۔ بلکہ بسا اوقات کسی لائق شخص کو اُس کا مستحق مقام بھی نہیں دیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ 2004 میں جس وقت دارالقلم کی عملی پیش رفت

کی بات چلی، اُس وقت دارالقلم کو بعض جہتوں سے کچھ لائق افراد دستیاب تھے مگر اُن سے کچھ کام نہیں لیا گیا بلکہ گزارش یا خدمت کی پیش کش کے باوجود بے حسی برتی گئی جس کی وجہ خود آج تک ایک راز ہے۔ ہم نے بعض متعلقہ فضلا سے وجہ جاننا چاہی تو یہی جواب ملا کہ پتا نہیں کیوں ایسا کیا گیا۔

دراصل مولانا کسی ہدفِ خیر کی تکمیل اور دین وملت کی تحسین کے مفکر نہیں، بلکہ بابِ تکلف کی خاصیت کے متفکر ثابت ہوئے۔ مجلّات کے اداریے قلم بند کر کے فراغت کے لمحات میں پروفیسر اختر الواسع اور جاوید حبیب جیسے لوگوں کے ساتھ ذہنی مجلس سجاتے، یا دہلی سے نکلتے تو اکابرینِ جماعت، کام کرتے ہم عمر علما وغیرہ کے پاس جا بیٹھتے۔ یقیناً یہ عمدہ مجالست تھی، مگر طبیعت کی تنگی کہیے کہ اخذ صرف اتنا کرتے کہ اب کی بار، اداریے میں کیا ترپ کا پتا ڈالنا ہے۔

مولانا نے کبھی اپنے مشن کی عملی تکمیل کے لیے بنیادی ڈھانچہ (structure) تیار نہیں کیا۔ مولانا اپنے خلوص، پُرکشش منصوبے اور بے نیاز طبیعت پر بھروسا کیے صبر واستقلال کے ساتھ مسلسل شاید اِس بات کا انتظار کرتے رہے کہ جس طرح ایک اہم تحریر سے متاثر ہو کر کرشماتی طور پر دہلی کے کچھ لوگ 2 ہزار گز جگہ ہتھیلی پر دھرے حاضر بارگاہ ہوئے، اِسی طرح مسلسل تحریکی مضامین کے نتیجے میں کسی روز پھر کچھ لوگ آ کر کہیں کہ جی حضور! بتائیے، کتنی اونچی بلڈنگ، کہاں کھڑی کرنا ہے اور دارالقلم کے جملہ منصوبوں کے لیے اکاؤنٹ میں کتنی رقم ٹرانسفر کر دیں، نیز دارالقلم کا پورا سیٹ اپ چلانے کے لیے ہر ماہ کتنی نقدی گھر بیٹھے درکار رہے۔ ہم بار اُٹھانے کو تیار ہیں۔

سطحی جذباتیت اور کم زور قوتِ ارادی

مولانا کا ایک اور کم زور کردار، طبیعت میں بیٹھی اور مشکل سے پکڑ میں آنے والی اُن کی کم زور قوتِ ارادی یا جذباتیت ہے۔ ہم سرسید احمد خاں کو دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے قومِ مسلم کی تعلیمی، سماجی اور مزاجی حالت سدھانے کے لیے جو بے حد دور اندیشانہ قدم اُٹھایا، اُس کے لیے اُنھوں نے اُس وقت کا سب سے بڑا اور نہایت جذباتی الزام اپنے سر لیا اور برداشت کیا، یہ کہ وہ قوم مخالف اور انگریز نواز ہیں۔ مگر آج اُن کی حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوم سر بسجود اور برکاتِ عمل سے محظوظ ہے۔

دہلی میں یہی حکمتِ عملی جماعتی نقطۂ نظر سے علامہ ارشدالقادری نے اپنائی مگر ایک تو آپ نے دہلی کا رخ آخر میں کیا جس کی وجہ سے کئی ایک chances نہیں آزما سکے، دوسرے کئی مواقع پر خاصا کوشش کے باوجود قسمت نے ساتھ نہیں دیا اور اس کے ساتھ کبھی ایسا بھی ہوا کہ اپنے لوگوں نے دھوکہ دیا۔ تیسرے ایک سراسر اپنے ہی کی سازشانہ حرکت سے یہ تدبیرِ عمل ناکام رہی۔ جس کے بعد مشیتِ الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہی تھا۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی یہ سب نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ وہ اتنے سنجیدہ صاحبِ بصیرت، دوربیں مفکر اور خود اعتماد مدبر یا منصوبہ ساز نہیں تھے۔ یہ نتیجہ ہم نے کئی چیزوں سے اخذ کیا ہے۔ ایک یہ کہ آپ نے بغل سے تو کام نکالنے کی کوششیں سیاسی سطح پر بھی کیں، لکھنؤ جو صوبۂ اترپردیش کی راجدھانی ہے، اُس کو لمبے عرصے تک اپنی نیم سیاسی سرگرمیوں کی راجدھانی قرار دے رکھا تھا، ملائم سنگھ کی شخصیت امیدوں کا مرکز تھی۔ بعد میں دہلی آکر کانگریس یا اُس کے بعض مشیران کے طواف کیے جانے لگے۔ مگر بہ خوفِ ملامتِ عامیہ (اہلِ نظر کے لیے قابلِ توجہ)، رویہ وہی دوُرخا رکھا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے جب کہ اِس چکر میں اگر لاٹھی نہیں ٹوٹی (یا کچھ خاص نہیں ٹوٹی)، تو سانپ بھی نہیں مرا۔

دوسرے ہم نے موصوف کی ایک تازہ تحریر کے اُس پوائنٹ سے بھی یہ سمجھنے میں مدد حاصل کی، جس میں اِس بات کی صراحت ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد ممکنہ سیاسی نقصان سے بچنے کے لیے کانگریس نے دہلی میں اُنھیں خریدنے کی کوشش کی تھی۔

قارئین کو یاد رہے کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی یہ کہہ کر اُس وقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جب علامہ ارشدالقادری دہلی میں ایک بڑا نیم مذہبی اجلاس کرکے بدلے میں کانگریس سے دہلی میں عظیم سنی مرکز کے قیام کے لیے ایکڑوں پر مشتمل ایک بڑا خطۂ زمین اور اس کی تعمیر کے لیے گراں قدر نقدی حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔

اِس کانفرنس کی حمایت بڑے پیمانے پر کی گئی تھی۔ بقول مولانا یٰسین اختر مصباحی ''جس میں ہندوستان کے مشہور و معروف علما و مشائخِ اہلِ سنت نے شرکت فرمائی، ہزاروں سنی مسلمانوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اِس کانفرنس میں حصہ لیا''۔ (سالانہ مجلّہ کاروانِ رئیس القلم، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ص 33، سن 2007)۔

مولانا اِس اشارے سے کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ اُس وقت سارے لوگ حکومت کی طرف سے لقمۂ تر دیکھ کر ضمیر فروشی کر بیٹھے تھے، سوائے موصوفِ مکرم کے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی کے اس رویے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی کارگر اور فیصلہ کن کام نہیں کر سکتے، کیوں کہ نہ کوئی واقعی کارنامہ کر پانا اتنا آسان ہے کہ دنیا کا ہر فرد، ہر وقت آپ سے خوش اور مطمئن رہے اور جس قدر مشکلات درپیش ہوتی ہیں، تو اُنھیں جھیلنے اور برداشت کرنے کی موصوف میں سکت نہیں۔

بلکہ ایسے نازک موڑ پر موصوف، مزید سنجیدہ، مستحکم اور بابصیرت ہونے کے بجائے دوسروں کی ٹوپیاں اُچھالنے میں دل چسپی لینے لگتے ہیں۔ صرف یہ احساس ہو جانے پر کہ کچھ لوگ ضرور کنفیوز ہو سکتے ہیں، موصوف کو اُن کی سطحیتِ نظر بہت جلد رجعت یا شرارت پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موصوف کسی بھی منزلِ بلند کی سیڑھیوں پر از حد صبر و سعی کے بعد بھی صرف 70 فی صد تک چڑھ پاتے ہیں، جس کے بعد کم سنجیدہ جذبہ جسے ایک لفظ میں جذباتیت سمجھیے، آڑے آجاتی ہے اور سادہ لوگوں کے ساتھ طبیعت کو عارضی موجِ مستی کے دھندلکے میں دھکیل دیتی ہے۔

موصوف کی اِس فطری کمزوری کی دوسری، قدرے گستاخانہ یا جارحانہ عوامی تعبیر یہ ہے کہ کوئی کام ہو یا سب کچھ بھاڑ میں جائے، بہر صورت میں بھیڑ کے جذبات یا کنفیوزن کو ٹھیک وقت پر بھُنا لوں اور لڈو پن کی روش چلتے ہوئے عام عوام کے لیے میٹھا بنا رہوں۔ یہی میٹھی پالیسی موصوف اپنی تحریروں میں برتتے رہے ہیں کہ سب کچھ کہہ کر بھی کچھ نہیں کہتے ہیں اور کچھ نہ کہہ کر بھی سب کچھ کہہ دیتے ہیں۔ موصوف اپنی فکر و شخصیت میں اسی منافقانہ اندازِ بیان کے رسیا ہیں، حالاں نتیجے کی رو سے یہ ایک ناکارہ سوچ اور اپاہج فکر ہے۔ ملت کے لیے اس سے کوئی پیغام نہیں نکلتا۔ موصوف کی اس بے فیض پالیسی کا آج تک کی زندگی میں نتیجہ بھی سب کے سامنے ہے۔

علامہ ارشدالقادری سے انقباض

دورانِ مطالعہ و درمیانِ تجزیۂ معلومات ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی نے جماعت کی کل توجہ منصوبۂ دارالقلم پر مرکوز رکھنے کے لیے یہ حکمت بنائی کہ باوجود اِس کے کہ علامہ ارشد

القادری اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے دہلی میں عرصے سے سرگرداں اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کی زمین وتعمیر کے لیے لوگوں سے مالی معاونت کے ضرورت مند ہیں، حجاز جدید اور کنزالایمان کے اداریوں میں جماعت کو یہی باور کرایا جائے کہ دہلی میں جماعت کے لیے اگر کسی منصوبے کے تحت کچھ کام ہورہا ہے تو وہ ہے دارالقلم کا قیام واستحکام۔

جامعہ حضرت نظام الدین اولیا (ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی) جو علامہ ارشد القادری کے عالمی دعوتی تجربات وضرویات کا نتیجہ، ایک عظیم تبلیغی منصوبے کا حصہ اور ملک میں مذہبی تدریس کی سطح پر بالکل نئی طرح کی ایجاد ہے۔ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے قیام کے پس منظر میں علامہ ارشد القادری کے یہ احساسات ملاحظہ کریں:

''میری عمر کا بڑا حصہ یورپ اور مغربی ممالک کی خاک چھاننے میں گزرا، میں نے وہاں شدت سے محسوس کیا کہ ایسے علما کی سخت ضرورت ہے جو بین الاقوامی زبانوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ یورپ میں چوں کہ عربوں کی بھی معقول آبادی ہے، اِس لیے عربی کے ذریعے بھی یورپ میں کام کرنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن یہ کام کسی روایتی مدرسے میں نہیں ہوسکتا۔ اِس کے لیے الگ سے ایک تربیتی کیمپ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ چناں چہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ ایسا ادارہ ضرور قائم کروں گا، جہاں قدیم نظامِ تعلیم وتربیت کے پروردہ علما کو جدید علوم وفنون سے مسلح کرنے کا کام کیا جاسکے''۔ (ٹائٹل پیج سالانہ مجلّہ کاروانِ رئیس القلم، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی)

دنیا بھر کی خاک چھاننے والے، نہایت اخاذ وحساس طبع اور انتہائی ذہین وفطین علامۂ زماں کے ایک طرف یہ گراں بہا احساسات اور دوسری طرف سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دہلی میں جگہ فراہمی کی از حد جنونی جد جہد۔ یہاں تک کہ دہلی میں سیاسی انداز کی ''سنی کانفرنس'' کے انعقاد کا فیصلہ۔ تاکہ بدلے میں کچھ بڑی مالی مدد مل جائے۔ اِس سب سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کا کس ضرورت اور معیار کا ''منصوبۂ دہلی'' رہا ہوگا۔

ایک بات اور سمجھیے۔ علامہ نے پہلے پہل جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے نام سے درگاہ حضرت نظام الدین اولیا نئی دہلی کی مسجد ضامن المساجد میں ایک مکتب قائم کیا تھا۔ اس کے بعد دہلی میں

دو دو بار زمین کی بہتر حصولیابی کے بعد ملے دھوکے سے مجبور ہو کر ذاکر نگر (اوکھلا) میں چار سو گز جگہ خرید کر اُس پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیا قائم فرمایا۔ مگر جدوجہد، ابھی نہیں رکی۔

سنی کانفرنس کے نتیجے میں پھر ایک بڑی اور آخری کوشش کی جس کے نتیجے میں دہلی کے اندر ایک عظیم ''اسلامی یونیورسٹی'' قائم کرنا مقصود تھی۔ ظاہر ہے اُس کا نام بھی جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ہی ہوتا۔ تبھی جا کر ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیا'' (حضرت نظام الدین اولیا یونیورسٹی) اسم بامسمّٰی ہوتا۔ کیوں کہ لفظِ ''جامعہ'' کا معنی نہ مکتب ہے، نہ مدرسہ، نہ دارالعلوم، بلکہ یونیورسٹی ہے۔

اِس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ علامہ کا ''منصوبۂ دہلی'' دراصل دہلی میں ایک عظیم ''اسلامی سنی یونیورسٹی'' قائم کرنا تھا۔ اِس سے علامہ کے طریقۂ کار کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ یعنی کہ علامہ ذہن میں تو ایک واضح ہدف اور منصوبہ رکھتے تھے مگر بلاضرورت اُس کی تشہیر کے بجائے، اُس تک پہنچنے کے لیے ضرورت بھر عملی جدوجہد کرتے تھے۔

لہٰذا منصوبۂ دہلی کے لیے لمبے عرصے کوششوں کے درمیان جو حالات رہے، جو طریقے اور تدابیر اختیار کیں اور کئی ایک صدموں اور ناکامیوں کے بعد عملی اور حتمی سطح پر بالآخر جو متوسط درجے کا کام انجام پا سکا۔ یہ ساری چیزیں اپنی جگہ۔ مگر اِن سب سے علامہ کے حقیقی عزائم کو نہیں آنکا جاسکتا۔ سچ یہ ہے کہ وہ بہت بلند اور عظیم تھے۔

مگر اب آیئے مولانا یٰسین اختر مصباحی کے سلوک ورویے کی طرف۔ مصباحی صاحب نے دہلی میں 1984 سے مستقل پڑاؤ کیا، جہاں مسلسل اٹھارہ سال جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے قیام اور اُس کے استحکام وترقی کے لیے علامہ ارشد القادری کی جدوجہد دیکھی۔ مصباحی صاحب نے دہلی میں لگ بھگ آٹھ سال جماعتی مجلّاتی صحافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حجاز وکنزالایمان کے کسی اداریے میں علامہ ارشد القادری کی جدوجہد، ضرورتوں، سرگرمیوں وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ ایک آدھ جگہ کیا بھی تو ڈھیلے اور پھیکے انداز سے۔ جیسے:

''علامہ ارشد القادری نے ایک سنی ادارے کے قیام کی تحریک چلائی........ زمین خرید کر جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے میں کامیابی حاصل کرلی، جو باضابطہ

اب اپنا تدریسی کام انجام دے رہا ہے اور مستقبل میں اس سے اچھی توقعات وابستہ ہیں''۔ (نقوش فکر از مولانا یٰسین اختر مصباحی ص470)۔ مصباحی صاحب نے اتنی بات بھی تب لکھی جب ''دہلی میں اہلِ سنت کی سرگرمیاں'' کے عنوان سے اداریہ تحریر کرتے وقت عنوانِ تحریر نے کسی قدر لکھنے پر مجبور کیا۔

اہلِ فہم کے لیے یہ بھی ایک نکتہ ہے کہ مصباحی صاحب نے لمبے عرصے میں علامہ کے اِس عظیم منصوبے کو نہ کبھی کسی منصوبے سے تعبیر کیا، چہ جائے کہ عظیم منصوبہ سے تعبیر کرتے، نہ کبھی عظیم الشان یا صرف عظیم یا اہم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ قوم اس کی طرف بھی دھیان دے، یا اسے بھی کسی مالی معاونت کی ضرورت ہے، اِس کا تو خیر ذکر ہی کیا۔

نہ کسی اداریے میں ''سنی کانفرنس'' 1995 کے طرزِ انعقاد سے قطعِ نظر کہ جس سے موصوف کو اعتراض تھا، کانفرنس کے پس پردہ جو عظیم منصوبہ و دینی مقصد تھا اور جس خلوصِ دل اور نیتِ خیر پر مشتمل تھا، اُس پر کچھ تذکرہ و اشارہ کیا ہے۔ علامہ کے عظیم مخلصانہ منصوبے سے متعلق مفتی مفتی عبدالمنان کلیمی مرادآبادی فرماتے ہیں کہ ''آپ 1995 میں ہندوستان کی راجدھانی سرزمین دہلی پر ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا انعقاد فرما کر جماعتِ اہلِ سنت کے لیے ایک تاریخی ''اسلامی یونیورسٹی'' کی داغ بیل ڈالنا چاہتے تھے''۔ (سالانہ مجلّہ کاروانِ رئیس القلم، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر، نئی دہلی، ص15، سن2007)۔

اِس سے شبہ ہوتا ہے کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی کو علامہ کے طریقۂ کار پر اعتراض کے ساتھ خلوصِ نیت پر بھی شک تھا بلکہ یقیناً تھا اور ہے تبھی آج تک پُراسرار خاموشی سادھے رہے اور اب صوفی کانفرنس کے دنوں کچھ بولے تو وہی زہریلی تعریض کی (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

جب کہ دارالقلم کے خالص کاغذی منصوبے کے لیے زمین وآسمان کے قلابے ملائے گئے۔ پورے پورے اداریے اور کتابچے لکھے اور شائع کیے گئے، وہ بھی بار بار۔ اگر خوگرِ خلوص علامہ ارشد القادری نے کبھی حوصلہ افزا کلمات بلکہ جو مستقل مضامین موصوف کی حوصلہ افزائی اور ڈھارس بندھائی کے لیے یک طرفہ طور پر پوری کشادہ ظرفی کے ساتھ اُس وقت بھی لکھے یا کہے، جب علامہ خود اپنے جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے لیے زمین اور تعمیر کے لیے سرمایے کی فراہمی کی کوششوں کو لے کر

سرگرداں تھے۔ تو اُنہیں ضرور خوشی خوشی مہمان اداریے بنا کر دھڑلے سے چھاپا گیا۔

ایسا بھی نہیں کہ منصوبوں پر مولانا یٰسین اختر مصباحی، کامل تحصیلِ ہدف کے بعد ہی کچھ مختصر عرض کرنے کے عادی رہے ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ اپنے حوالے سے کچھ لکھتے، تو ''عظیم الشان منصوبہ''، ''مستقبل کے بلند عزائم''، ''عظیم سنی مرکز''، ''جماعت کے تابناک مستقبل کے لیے ایک نئے عہد کا آغاز'' جیسے کلمات سے تعبیر کرتے۔ اداریوں کی سرخیاں بھی ایسی لگاتے جیسے دہلی میں اہلِ سنت کی تابناکی کا کوئی پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔ مثلاً ''دارالقلم دہلی کا تاریخ ساز منصوبہ''۔ ''دارالقلم دہلی کی جادہ پیمائی''۔ ''فکری وقلمی منصوبے کی طرف پیش قدمی'' وغیرہ۔

میں آخر میں مولانا یٰسین اختر مصباحی کی بارگاہ میں مخلصانہ گزارش کروں گا کہ چلیے، کسی معاصرتی اسباب کے پیشِ نظر جو کچھ اُن دنوں رہا، سو رہا۔ اب کم از کم جماعت کے ایک مجاہد بے بدل اور اُن کا عظیم دہلی منصوبہ، دہلی میں اُن کی جدوجہد اور اِس بیچ پیش آمدہ نشیب وفراز پر ضرور تفصیل سے کچھ قلم بند فرمایئے۔ ناچیز کا خیال ہے کہ حضرت علامہ کی دہلی زندگی مکمل پردۂ خفا میں ہے جس پر آپ سے زیادہ مکمل روشنی کوئی نہیں ڈال سکتا، کیوں کہ جہاں ایک طرف آپ بہترین صاحبِ قلم ہیں، وہیں آپ نے اپنی پختہ فکری اور بالغ شعوری کے بہترین ایام علامہ کے ساتھ گزارے ہیں۔

اِس کے ساتھ مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی (امریکہ) اور مولانا خوشتر نورانی (دہلی) سے بھی اولاً تو شکوہ کروں گا کہ آپ جیسے صاحبانِ علم وقلم نے اب تک اِس جانب توجہ کیوں نہیں دی۔ جون/2002ء میں مولانا خوشتر نورانی نے جو جام نور کا رئیس القلم نمبر شائع کیا ہے وہ ادھورا ہے، جس میں علامہ کی دہلی زندگی اور منصوبۂ دہلی پر کچھ بھی خاص نہیں۔ ثانیاً عرض ہے کہ بہت دیر ہوچکی ہے اب جلد قدم بڑھایئے۔ علامہ ارشد القادری کی تحقیقی انداز کی جامع سوانح بہرحال منظرِ عام پر آنا چاہیے۔

میں جماعت کے دیگر صاحبانِ علم وقلم کی توجہ بھی اِس طرف مبذول کرانا چاہوں گا۔ مجھے واقعی دکھ ہے کہ کیوں اِس جماعت نے اپنے ایک بڑے حقیقی محسن کو فراموش کیا ہے۔ جس شخص نے دنیا بھر میں چل پھر کر جماعت کا ڈنکا بجایا ہے، فروغِ سنیت کے لیے اپنی زیست کا لمحہ لمحہ کھپایا ہے، فکرِ رضا و مسلک اہلِ سنت کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی تمام توانائیوں کو پگھلایا ہے، اعلیٰ حضرت کے بعد جس

نے اپنے تحریر وقلم اورلسان وذہن سے وجودِ وہابیانِ دیو بند پر سب سے بڑی ضرب لگائی ہے۔ اُس پر پوری جماعت کی طرف سے کچھ بھی نہیں، محض سناٹا۔ سوائے جام نور کے رئیس القلم نمبر کے یا ایک آدھ برائے نام یا بے نام کسی دیگر نمبر کے۔

قارئین کو یہ جان کر مزید حیرت ہوگی کہ دہلی سے نکلنے والے ماہ نامہ جام نور کے رئیس القلم نمبر کے لیے بھی دہلی میں قیام پذیر اور تحریر وقلم سے شناخت رکھنے والے اور علامہ ارشد القادری کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارنے والے مولانا یٰسین اختر مصباحی نے کچھ نہیں لکھا۔ جماعتی علما سے اِس سلسلے میں مولانا مبارک حسین مصباحی مدیر ماہنامہ اشرفیہ ضرور شخصی طور پر بری الذمہ ہیں کہ اُنہوں نے حضرت علامہ پر ایک اچھی تحریر قلم بند کی ہے۔

پتا نہیں میری اِس خواہش یا گزارش کو کس طرح لیا جائے گا مگر میں خالص احسان مندی کے نیک جذبے سے یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ جامعہ اشرفیہ کے قیام و استحکام اور شہرتِ دوام میں زبردست کردار ادا کرنے والے اور اپنے استاذِ کریم و مربیِ محسن حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے نہایت قابلِ اعتماد و لائقِ فخر تلمیذ ہونے کے باعث علامہ ارشد القادری سے منسوب کچھ نہ کچھ مادرِ علمی میں یادگار قائم ہونا چاہیے۔ مادرِ علمی میں اِس طرح کے کسی اقدام کے لیے ہم یا ہم جیسے بہت سے فرزندانِ جامعہ اشرفیہ نہ جانے کب سے سراپا انتظار ہیں۔

تحریر کی علمی وفنی کم زوریاں

مولانا یٰسین اختر مصباحی کی نفسیات پر دارالقلم کے منصوبے کی ناکامی نے گہرا اثر ڈالا، جس سے آپ کے کردار و عمل، فکر ونظر، قرطاس وقلم سب متاثر ہوئے۔ منصوبۂ دارالقلم کی ناکامی کے بعد آپ نے واضح طور پر یہ تسلیم کرلیا کہ جماعت یا ملت کے لیے منصوبۂ دارالقلم کے مجوزہ معیار کے مطابق کچھ قابلِ ذکر کارنامہ کرپانا مشکل ہے۔

نتیجتاً آپ کسی قدر ساکھ برقراری کے لیے جدجہد کرنے لگے۔ بعد کی تحریرات میں جہاں دارالقلم اور اُس کے منصوبوں کے ذکر کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ وہیں جملہ علمی و مذہبی سرگرمیوں

میں ساکھ برقراری کا رنگ صاف نظر آتا ہے۔ بعد میں آنے والی تصنیفات و تالیفات کی مجموعی حالت یہ ہے کہ متوسط طبقے کے لیے معلوماتی ضرور ہیں مگر تحقیقی وتخلیقی مزاج رکھنے والے اُسے بڑھتی تعداد وضخامت سے تعبیر کرتے ہیں۔

تحریروں میں ایک علمی کم زوری یہ پیدا ہوئی کہ ضروری نہیں کہ جس کتاب کا صفحہ وسطر کے ساتھ حوالہ دیا گیا ہے، وہ براہِ راست مصباحی صاحب نے دیکھی ہو۔ مصباحی صاحب اکثر اصل ماخذ کا براہِ راست حوالہ دے دیتے ہیں، جب کہ جس ثانوی کتاب سے وہ حوالہ چوری کر کے اُٹھایا ہوتا ہے اور جس اصل محقق نے اُس اصل ماخذ کو دیکھ کر اپنی کتاب میں ذکر کیا ہوتا ہے، اُس اصل کتاب و محقق کو محذوف رکھا جاتا ہے جو بلاشبہ علمی خیانت ہے۔

یہ بات جہاں ناچیز کو کئی اہلِ علم حضرات نے بتائی، وہیں ایک بار میں نے خود مصباحی صاحب سے عرض کیا کہ کیا موصوف نے فلاں کتاب میں جو کچھ مخصوص کتابوں کے براہِ راست حوالے دیے ہیں، وہ اصل کتابیں بچشمِ خود دیکھی پڑھی ہیں۔ جس پر جواب ملا کہ اب وہ کہاں مل سکتی ہیں، بس اُس کے حوالے چل رہے ہیں۔

چھان بین کرنے والوں نے بتایا کہ اگر مصباحی صاحب صفحہ وسطر کے ساتھ بھرپور حوالہ ذکر کریں، تو غالب ہے کہ کتاب بچشمِ خود دیکھی ہے اور اگر ادھورا حوالہ دیں تو صد فی صد یقین کیجیے کہ اصل حوالہ خود نہیں دیکھا ہے، کسی دیگر محقق کی تحقیق چرالی گئی ہے۔ ایک ہی کتاب میں کہیں ادھورے اور کہیں پورے حوالے ناچیز نے خود دیکھے۔ ظاہر ہے ایسا بلاسبب نہیں کیا جاسکتا۔ مصباحی صاحب کے اس اندازِ تحقیق کا مطلب ہے کہ آپ کی تحقیقات پر آنکھ بند کر کے بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ اِس اندازِ تحقیق سے تحقیق، بھروسے در بھروسے ہو کر آخر میں رام بھروسے ہو جاتی ہے۔

مصباحی صاحب نے کئی عربی کتابوں، کتابچوں کے اردو میں ترجمے بھی کیے ہیں۔ ایسی ترجمہ شدہ کتابوں میں موصوف، مصنف کی حق تلفی کرتے ہوئے مصنف کے نام کو اندر کے صفحات میں جگہ دے کر کتاب کے ٹائٹل پیج پر جلی حروف میں صرف اپنا نام درج کرتے ہیں۔ اکثر اپنے نام کے ساتھ مترجِم کا لفظ بھی ذکر نہیں کرتے۔ تا کہ عام قاری اولِ نظر میں بآسانی یہ نہ سمجھ پائے کہ مولانا یٰسین اختر

مصباحی اس کے مصنف نہیں، مترجم ہیں۔

اِس تدبیر سے قاری کو دھوکے میں ڈالا جاتا ہے۔ اِس کے ذریعے قاری کے ذہن میں تصنیفِ خود کا شبہ ڈالنا دانستہ مقصود نہ بھی ہو۔ پھر بھی کتاب کے ساتھ اصل مصنف ومحقق کی شناخت کو زیادہ سے زیادہ چھپا کر مقابلتاً خود کو نمایاں کرنے کا غیر سنجیدہ جذبہ ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ جو سرتاسر ظلم ہے کہ اِس سے اصل محقق ومصنفِ کتاب کا حق مارا جاتا ہے۔

سمجھنا چاہیے کہ کوئی بھی شخص جب کسی مُترجَم کتاب کو پڑھنے کے لیے ہاتھ میں لیتا ہے تو عموماً وہ یہ دیکھنا، سمجھنا نہیں چاہتا کہ ترجمہ نگار نے ترجمہ کیسا کیا ہے، بلکہ وہ صرف کتاب ومصنفِ کتاب کے علوم وافکار پڑھتا سمجھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترجمہ، قاری کے لیے ایک سہولت ہے، اِس کا یہ مطلب نہیں کہ کتاب پر قبضہ جمالیا جائے۔

رہا یہ سمجھنا کہ ہم نے ترجمہ کرنے میں محنت کی ہے۔ تو اِس طرح کسی کتاب کی اپنے ذاتی خرچ سے اشاعت کرنے والا بھی کیوں اپنا نام مصنف کے نام سے اوپر تحریر نہ کرے کیوں کہ اُس کی بھی تو رقم خرچ ہوئی ہے۔ غرض کہ انصاف پسند مترجمین، مترجم کتابوں کے ٹائٹل پیج پر کتاب کے نام کے نیچے مصنف ہی کا نام تحریر کرتے ہیں۔ اپنا نام بحیثیتِ مترجم، مصنف کے نام کے نیچے یا اندرونی صفحے (sub-title) پر ذکر کرتے ہیں۔

مصباحی صاحب کی تیسری بڑی علمی کم زوری یہ ہے کہ اکثر وہ اپنی اگر 100 صفحات کی کتاب ہے تو اپنی دیگر کتابوں سے یا دیگر لوگوں کی تصنیفات سے ہلکی پھلکی ترمیم یا بلاترمیم لمبے لمبے اقتباسات اور بسا اوقات پورے پورے مضامین copy کر کے اُسے ضخیم بنا لیتے ہیں۔ آزادیِ ہند اور اُس کے متعلقات پر جو کتابیں منظر عام پر آئیں، شدت پسند بریلویوں سے جو جھگڑے رہے، نیز بعض شخصیات پر جو کتابیں لکھیں، اُن سب کا سرسری جائزہ ہمارے اِس دعوے کو بہت واضح طور پر ثابت کرتا ہے۔ اِس طرح دو باتیں ہوئیں، بار بار اقتباسات اور طویل طویل اقتباسات۔

اِس تدبیر سے کتاب کی ضخامت ایک دم بڑھ جاتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کم سے کم محنت میں ایک کتاب کی کئی کتابیں بن جاتی ہیں، جس کے بعد اُنہیں پوری کشادہ قلبی کے ساتھ

الگ الگ نمبر ڈال کر فہرستِ تالیفات ومطبوعاتِ دارالقلم میں مستقل کتاب کی حیثیت دے کر شامل کر لیا جاتا ہے۔ بایں طور کروڑ ہا کروڑ روپے کی جگہ پر تعمیر دارالقلم کو اپنے منصوبوں میں کامیاب دیکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ حوالے تو دے ہی دیے جاتے ہیں، یہ سرقہ نہیں۔ مگر اِس وقت بات سرقے کی نہیں چل رہی ہے کہ وہ الگ ایک بحث ہے۔ یہاں عرض یہ ہے کہ تصنیف وتالیف کے درمیان خلط ملط والی تیسری ناموس شکل بنالی جاتی ہے۔

کسی کتاب کو تیار کرنے کا موصوف کا آج کل جو انداز ہے وہ مجموعی طور پر یہ ہے کہ موضوع سے متعلق چند کتابیں اپنے اردگرد رکھ لی جاتی ہیں۔ جس کے بعد کچھ اپنی سابقہ معلومات اور کچھ باآسانی دستیاب کتابوں سے استمداد۔ ضخیم سے ضخیم کتابیں بہت کم عرصے میں تیار کر دی جاتی ہیں۔ حوالوں کو متنوع کرنے کے لیے وہی تدبیر چلی جاتی ہے کہ کثرت سے متداول کتابوں کے حوالے براہِ راست دے دیے جاتے ہیں۔ جب کہ نادر یا کمیاب حوالے ثانوی ماخذوں سے چُرا کر کتاب پر علمی ثقاہت کا رنگ چڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

آج کل بعض احباب کو حیرت ہوتی ہے کہ مصباحی صاحب کے پاس لوگوں سے بات کرنے لیے بھی بھر پور وقت ہے، جلسوں جنہیں آج کل کانفرنسوں سے تعبیر کرنے کا فیشن چل پڑا ہے، اُن میں بھی مسلسل شرکت رہتی ہے، تحقیق کے لیے مختلف شہروں، لائبریریوں کا سفر بھی حضرت نہیں کرتے۔ اِس کے باوجود غضب کی زود نویسی ہے۔ تو حیرت کی وہی وجہ ہے کہ منصوبۂ دارالقلم کی ناکامی کے بعد مصباحی صاحب کا طرزِ تحقیق بہت بدل گیا ہے۔

مصباحی صاحب اردو کے حجاج بن یوسف بھی ہیں کہ جس طرح عہدِ بنی امیہ کے مشہور عراقی گورنر نے عربی میں باضابطہ زبر زیر پیش لگانے کی روایت ڈالی۔ اِسی طرح مصباحی صاحب نے باضابطہ اردو میں زبر زیر پیش لگانے کی طرح نکالی ہے۔ بسا اوقات لفظ برداشت سے عاجز ہے، مگر جبراً، اُس کی کمر پچکا دی جاتی ہے۔ واوین (commas) کا نہایت غیر ضروری اور محض بھونڈا استعمال بلکہ اصراف بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس کے علاوہ کلمات وعبارات کو ضرورت سے زیادہ

bold کرنے کا سہرا بھی موصوف کے سر جاتا ہے۔ کتاب کے صفحات پر دور سے اُچکتی نظر ڈالیے تو لگتا ہے جیسے گھٹیا کاغذ پر جگہ جگہ زائد روشنائی اُبل آئی ہے۔

حیرت ہوتی ہے اگر ایسا 'دعوتِ اسلامی' والے کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے کیوں کہ عموماً وہ جس سطح کے لوگوں کو ذہن میں رکھ کر اپنی کتابیں، کتابچے یا پمفلٹ لکھتے اور شائع کرتے ہیں، وہ ہمیں بخوبی معلوم ہے۔ مگر مصباحی صاحب تو علم کی اتنی نچلی سطح کے لوگوں کے لیے کچھ تحریر نہیں کرتے، اِس کے باوجود وہ اپنی فکری اور علمی تحریروں میں ایسا کرتے ہیں۔ یہ سمجھ سے بالاتر ہے!۔ شاید ڈھلتی عمر کے ساتھ موصوف کا یہ ذوق بھی صرف اِس لیے بنا ہے کہ اب زندگی میں مصروفیت کچھ خاص نہیں رہ گئی ہے۔

ساکھ برقراری سے مزید تنزلی کی طرف

مولانا یٰسین اختر مصباحی کی فکری زندگی کو ہم تین خانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: فکر و تعمیر۔ ساکھ برقراری۔ منفیات۔ وہ اِس طرح کہ دارالقلم کے منصوبے میں ناکامی کے احساس سے قبل تک فکر و تعمیر بھری زندگی، احساس کے بعد ساکھ برقراری کی زندگی اور اب کچھ سالوں سے جھنجھلاہٹ سے بھرپور منفیات بھری زندگی۔ جو تا حال جاری ہے۔

ایک کامیاب آدمی کی وقوع پذیر ساکھ برقراری یا منفیت یا تخریب پسندی اکثر کسی مرحلے پر ناکامی کے بطن سے جنمے احساسِ کم تری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ہمیں مولانا یٰسین اختر مصباحی کی حالیہ غیر متوقع اور عجیب وغریب دل چسپی اِس ضابطے میں بالکل فٹ نظر آتی ہے۔

حالاں کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی پچھلے کچھ سالوں سے بسا اوقات کچھ نوجوان قدر دانوں کو کام کی مثبت تحریک و ترغیب دیتے رہے ہیں جس کے نتیجے میں کچھ کارگر جلسے، کانفرنسیں، سیمینارز وغیرہ کرائے ہیں جن میں اکثر خود بھی شریک رہتے ہیں۔ یہ جہاں کچھ نہ کچھ متبادل کی جستجو کا حصہ ہے، وہیں مارکیٹ میں بنے رہنے کی آسان ترکیب بھی ہے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے دارالقلم کے منصوبے میں احساسِ ناکامی کے بعد اپنے آپ کو ڈھیلا کرلیا، چوں کہ جو ہدف تھا وہ پورا ہونے سے رہا، باقی کچھ منصوبہ پیشِ نظر تھا نہیں جس کی تکمیل کی

کوشش کی جاتی، لہٰذا اپنے آپ کو میدان میں بنائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ مصروفیت اختیار کرلی گئی جس کی پول کھل کر بعض جماعتی حالات کے سبب سامنے آگئی۔ اِس کہانی کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مصباحی صاحب کی غیر واضح اور گنجلک سی سرگرمیوں کا سلسلہ شاید کچھ زیادہ دنوں تک چلتا مگر یہاں جماعتی سطح پر دو بڑے بدلاؤ دیکھنے کو ملے۔ ایک ماہ نامہ جام نور کی دھماکہ خیز نشاۃِ ثانیہ اور دوسرے عرصے سے چل رہی داخلِ بریلویت نفسانفسی پر مشتمل شدت و اعتدال کے مابین سرد جنگ کا اچانک بھڑک کر بے قابو ہونا۔ یکے بعد دیگرے اِن دھماکہ خیزیوں نے بریلوی جماعت کا سارا روایتی اور مضبوط نظام متزلزل کر کے رکھ دیا۔

پوزیشنیں صاف کرنے والا جام نور

ماہنامہ جام نور جس کی باگ ڈور جواں حوصلہ صحافی مولانا خوشتر نورانی دہلی کے ہاتھوں میں تھی، اُس نے روزِ اول ہی سے بریلوی جماعت کے فکری تانے بانے میں ہلچل مچادی۔ چوں کہ مدیر موصوف سمیت جو حلقہ مدیر کی ادارتی کشش کے باعث جام نور کو دستیاب ہوا، وہ بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ پھر مدیر کے دستِ راست بلکہ کئی جہتوں سے برابری کا رول ادا کرنے والے مولانا اسید الحق بدایونی تھے جن کی عظمتوں کے یکساں طور پر ہندو پاک معترف ہیں۔ جب کہ بنیاد میں دبی اینٹ کی طرح مولانا ذیشان احمد مصباحی کی بے لوث اور خاموش معاونت و مصاحبت اپنی جگہ۔

جام نور، یوں تو بریلوی جماعت کی داخلی اصلاح کرنے، اُس کے اندر فکری بیداری لانے اور اُسے زمانے سے لگا کھاتے کاموں کی تحریک دینے کا نعرہ لے کر اٹھا تھا، مگر اپنا مضبوط روایتی سسٹم رکھنے والی بریلوی جماعت کے لیے وہ ''سانپ کے منھ میں چھچھوندر'' ثابت ہوا۔ جماعت اُسے پورے طور پر نہ رد کرسکتی تھی، نہ قبول۔ جماعت کے لیے چیلنج یہ تھا کہ انفرادی یا طبعی طور پر تو اُس کی باتیں اچھی لگتیں مگر اجتماعی طور پر جب ایک دوسرے سے ملتے، تو اتنے باریک تکلف سے جو اُنھیں بھی اِس بات کا دھوکہ دیتا تھا کہ وہ تکلف نہیں دل کی آواز ہے، کسی قدر سکوت اور کبھی حیرانی سے ایک دوسرے کا منھ تکنے لگتے۔ کہنا یہ چاہتے تھے کہ جام نور جماعت کے اندر آزادخیالی کو فروغ دے رہا ہے۔

مگر یہ کشمکش بھی کب تک چلتی، جب کہ مجلّے کے تیز اثرات نئی نسل پر لگا تار پڑتے جا رہے تھے۔لہٰذا ایک طبقہ اِس انتظار میں لگ گیا کہ جلد ہی کسی چھوٹی موٹی چیز کو بہانا بنا کر باضابطہ اُس کے رد وتفسیق کا آغاز کر دیا جائے۔خوش قسمتی سے قرعہ مولانا ذیشان احمد مصباحی کے ایک اہم مضمون بنام ''دعوت وتبلیغ کی راہیں مسدود کیوں'' جو جماعت کی روایتی مسلکی فکر کی ضروری اصلاح پر مشتمل تھا، کے نام نکل آیا۔

یہ مضمون روایتی طبقے کے لیے صد فیصد غلط نہیں تھا، ایسی باتیں ہوتی رہتی تھیں، کچھ باتیں جماعت کے اندر پہلے سے لکھی بھی جا رہی تھیں، جب کہ احساسات کی حد تک ہر شخص مضمون میں مذکور مخلصانہ باتوں کی اہمیت سمجھتا تھا۔ ہاں جام نور کی مجموعی فکر وتحریک اُن کے لیے خطرناک تھی اور اُسی اسٹیج سے مضمون کی اشاعت کی گئی تھی، لہٰذا اُس کے رد کا آغاز اِس مناسب مواد پر مشتمل تحریر سے کر دیا گیا۔

جماعت کے شدت پسند طبقے نے نہ صرف تردیدِ واضح کی، بلکہ سخت تر احتجاج کر کے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔عرس رضوی کے موقع پر دونوں مرکزی اسٹیجوں سے ماہنامہ جام نور اور اُس کے مدیر و مضمون نگار دونوں کی جم کر تردید و مخالفت کی گئی، فتوے تک دیے گئے۔ یقیناً جماعت کے اندر جام نور کی عظمت کم کرنے کی کوشش کی گئی مگر اِس کے باوجود جماعت کے خاطر خواہ حصے پر اور بالخصوص نوجوانوں پر رسالے نے اپنے اثرات قابلِ لحاظ حد تک مضبوطی سے قائم کر لیے۔

بلاشبہ بریلوی جماعت کے اندر جام نور ایک کامیاب فکری تحریک ثابت ہوا۔ جام نور کی تحریکی کامیابی کے پیچھے کئی ایک وجوہات ہیں، مثلاً جدید ماحول میں علم وتمدن کے بڑھتے اثرات کے درمیان فکری بیداری کے لیے سازگار حالات میں تحریک کا اُٹھنا۔ جام نور کے مدیر کا حالاتِ زمانہ سے آشنا، از حد فکری، باذوق اور حوصلہ مند ثابت ہونا۔ جام نور کو دینی وعصری تقاضوں سے ہم آہنگ اہلِ علم وقلم حضرات کا سیمابی حلقہ دستیاب ہونا وغیرہ۔

بلاشبہ جام نور ایک انقلاب انگیز فکری دھمک تھا جسے ہلکے میں نہیں لیا جا سکتا تھا، مگر جماعت کے دیگر لوگوں کی طرح مولانا یٰسین اختر مصباحی نے بھی ابتدائی ایام میں اُسے ہلکے میں لیا بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہلکے میں لینے کا تکلف کیا۔ جام نور کی ادارتی ٹیم جس قدر افزائی یا قدر دانی کی مستحق تھی، وہ مصباحی

صاحب کی طرف سے کبھی نہیں مل سکی۔ دراصل مصباحی صاحب اپنی ادارتی بلکہ تحریری صلاحیتوں کے سامنے کسی دوسرے کو گھاس ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ اپنے منجھے ہوئے قلم اور سلجھی ہوئی فکر جسے وہ مسلسل چودہ پندرہ سالوں تک جماعت بلکہ ملک وملت کے درمیان بڑی کامیابی سے گردش دیتے رہے، اُس کے رہتے وہ جلد کسی نو پیدا ٹولی کو نظر میں کیوں لاتے۔

مصباحی صاحب کی یہ وہ بڑی غلطی تھی جس کا احساس اُنہیں اُس وقت ہوا جب جماعتی شدت پسندوں سے تصادم کے وقت موصوف کو جام نور جیسے زبردست معیاری واشتہاری پلیٹ فارم کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب جام نور ترقی کر کے اپنے آپ میں، اتنا خود دار اور مستقل ہو چکا تھا کہ وہ اپنی معروضی ترجیحات کو بآسانی کسی کی ذاتی ضروریات پر قربان نہیں کر سکتا تھا۔ کسی کے احسان کا پریشر قبول کر سکتا تھا، مگر جب اُس سے عون-بون-بَین پر مشتمل گنجلک رشتہ قائم کر کے کام نکالا گیا تو یہی پالیسی اُس نے بھی ایسے لوگوں کے ساتھ اختیار کی۔

جام نور کی تحریک کا اصل کردار، یہ ہے کہ اِس نے بریلوی جماعت کے اندر فکری بیداری کی مہم چھیڑ دی۔ جس کے نتیجے میں جماعت کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ضرور ہوئی۔ مگر ایک بڑا کام یہ ہوا کہ ضروری کھلبلی کے بعد جماعت کے کارگر اور ناکارہ لوگوں کی چھٹائی شروع ہو گئی۔ جیسے کسی بوسیدہ عمارت کی تعمیر جدید کے لیے اُس کی توڑ پھوڑ اُس سے کارگر، مٹیریل (material) الگ کرنے کے لیے کی جاتی ہے، کچھ اسی طرح بریلوی جماعت کے حق میں جام نور نے کردار ادا کیا ہے۔ اِس توڑ پھوڑ کے دوران رسالے نے جماعت کے کچھ خاص نخوت پسندوں کو متعدد محاذات پر خاموش چیلنجز بھی دیے، جن کے ہتھے دیر سویر بہت باریکی سے مولانا یٰسین اختر مصباحی بھی چڑھ گئے۔

جماعتی خانہ جنگی اور مولانا کی دلچسپی

بریلی ومبارک پور میں سرد جنگ تو پہلے سے جاری تھی، چین کی گھڑی اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز جیسے مسائل نے ایک دوسرے کو نفسیاتی بے اعتمادی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ مگر یہ سرد جنگ پہلی بار اُس وقت گرما گئی جب عرس عزیزی 2003 کے موقع پر مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کی منتقمانہ طنز وتعریض بھری

تقریر کے دوران مولانا ضیاء المصطفیٰ گھوسوی اسٹیج سے اُٹھ کر چلے گئے، حالاں کہ اُس وقت آپ جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھے مگر پھر بغرضِ تدریس کبھی واپس نہیں آئے۔

مولانا ضیاء المصطفیٰ اپنی اِس بے عزتی سے چڑھ گئے جس کے نتیجے میں آپ نے کھلم کھلا جامعہ اشرفیہ کی مخالفت شروع کردی۔ مولانا نے اپنے اس نئے تنازع میں مولانا مفتی اختر رضا خاں بریلوی کو بھی کسی حد تک اپنا ہم نوا بنالیا جس کے سبب مخالفت کی تحریک نے مزید جان پکڑ لی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر دو طرف سے کچھ مقررین باضابطہ میدان میں اُتر پڑے۔ کیا بریلی اور مبارک پور کے عرسی اسٹیج اور کیا ملک کے دیگر خطوں میں ہر گروہ کے جلسہ جاتی اسٹیج، ہر جگہ جدال بھڑک اُٹھا۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی کچھ سالوں بعد اِس جنگ میں براہِ راست اور کھلم کھلا اُس وقت کودے جب اساتذۂ جامعہ اشرفیہ اور خود کی شرکت والی کئی کانفرنسوں یا سیمیناروں کی شدت پسندوں کی طرف سے مخالفت کی گئی اور مجبور ہوکر آپ نے مخالفین کی حرکتوں کے خلاف ''عرفانِ مذہب ومسلک'' نامی کتابچہ تحریر کیا۔ یہ کتابچہ اگر چہ اپنے مندرجات میں کچھ بھی خاص یا فیصلہ کن نہ تھا، تاہم اس کی اہمیت یہ تھی کہ اس کے ذریعے پہلی بار کسی سینئر بریلوی نے اپنی ہی جماعت کے اُس ٹولے کے خلاف باضابطہ تحریری برہمی کے اظہار کی جرات کی تھی جو عرصے سے جماعت پر اپنی فکری وعلمی کم زوری کے باوجود مسلط چلا آرہا تھا۔

کتابچے کا منظرِ عام پر آنا تھا کہ شدت پسندوں کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اُنھوں نے جواباً کئی ایک کتابیں، کتابچے تحریر کرڈالے۔ اس سلسلے کی سب سے مشہور کتاب ''آئینۂ صلح کلیت'' رہی، جس کا نہ مجموعی مقصد درست، نہ اندازِ تخاطب صحیح۔ اِس کے باوجود اُس کے بعض معارضات میں جان تھی۔ نتیجتاً جواب الجواب سے جنگ اپنے شباب پر پہنچ گئی۔

اِس موقع پر مصباحی صاحب کے خیر خواہوں نے چاہا کہ یا تو مصباحی صاحب مزید کچھ نہ لکھیں کہ داخلی سطح پر جواب الجوابی سلسلہ آپ کی شان نہیں، یا لکھیں تو آخری بار، کھل کر، فیصلہ کن انداز میں لکھیں۔ یہ بات کئی خیر خواہوں اور بالخصوص نوجوانوں کی طرف سے بار بار براہِ راست و بالواسطہ کہی گئی، بعض حضرات نے خصوصی گزارش، تحریری شکل تک میں ارسال کی۔ مگر مصباحی صاحب نہ مانے اور

جب جو جی میں آیا، لکھ لکھ کر فیس بک اور واٹس اپ وغیرہ پر شائع کراتے رہے اور چھچھورے پن کی حد تک شدت پسندوں کے پیچھے پڑے رہے۔

ضرورت سے زیادہ لکھنے میں دل چسپی رکھنے کے نقص کے ساتھ مصباحی صاحب کی دوسری کم زوری یہ تھی کہ کوئی بھی بات فیصلہ کن اور دوٹوک نہ تھی، شدت پسندوں کے ممکنہ فتوے اُنھیں اِس بات سے ڈراتے تھے کہ وہ کھل کر کچھ لکھیں۔ آپ کا مسئلہ یہ تھا کہ دو الگ الگ ناوؤں میں سوار ہوکر دریا پار کرنا چاہتے تھے۔ خود یہ احساس کرکے مطمئن رہتے تھے کہ وہ ایسا لکھ رہیں جس سے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مرجائے۔ نتیجہ یہ کہ پھنستے چلے گئے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی جس فکر وخیال کی نمائندگی وترجمانی کررہے تھے، اُس کے حامل کثیر لوگ تھے مگر وہ مصباحی صاحب کے رویے سے مطمئن نہ تھے۔ دوسری طرف شدت پسند مزید جری اور حاوی ہوتے جارہے تھے۔ نتیجہ یہ کہ طبقۂ اعتدال کی طرف سے دوٹوک لب ولہجے میں، دفاع کے بجائے اقدام اور تعریض کے بجائے تصریح کی پالیسی پر مشتمل تفصیلی تحریر ''صاف گوئی کا تقاضا کرے ایماں مجھ سے'' از محمد ناصر رامپوری مصباحی منظرِ عام پر آئی جس نے ایک طرف اعتدال پسندوں کے صاف اور کھرے جذبات کی صحیح ترجمانی کی جب کہ دوسری طرف شدت پسندوں کے اقدامی وجارح حوصلوں کو بری طرح کچل ڈالا۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے ''عرفانِ مذہب ومسلک'' کے اندر ''منہاجی کارڈ'' بھی کھیلا، یعنی پروفیسر قادری کی تردید اور اُنھیں صلح کلی وگم راہ ٹھہرا کر خود کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ سوچا کہ شدت پسندوں کے بعض حامیوں کو اپنے حق میں نرم کرنے کے لیے شاید یہ ترکیب کچھ کام آجائے۔ اِس سے پہلے جب کانفرنسوں اور سیمیناروں کا دور چل رہا تھا، پروفیسر قادری کے خلاف از خود یک صفحی لمحۂ فکریہ لکھ کر موصوف نے اپنی دفاعی مہم کو کامیاب تر کرنے کی اولین سعی کی تھی۔

یہ لمحۂ فکریہ تحقیق کے بجائے بریلوی پروپیگنڈوں کی بنیاد پر تحریر کیا گیا۔ تاہم حیرت کی بات یہ تھی کہ شرعی ثبوتوں کے کلی فقدان کے باوجود، شرعی الزام نام زد تھا۔ کسی نے پروفیسر قادری کا وہ تاریخی خط جو اُنھوں نے مولانا تقدس علی بریلوی رحمہ اللہ کے ایک استفسار کے جواب میں بعض

مسائل و معاملات میں اپنی صفائی یا نقطۂ نظر کی توضیح کے لیے تحریر کیا تھا، پیش کیا تو موصوف چونک گئے کہ ارے! اچھا! ایسا ہے!

قارئین کو معلوم رہے کہ پروفیسر قادری کی یہ وہ جامع وضاحت ہے جس کو پڑھ کر، بالخصوص جب وہ جام نور شمارہ دسمبر 2013ء میں شائع ہوئی، ہند و پاک کے بے شمار لوگوں کی غلط فہمی دور ہوئی اور آئندہ کے لیے سوچ کی سمتِ قبلہ بدل گئی۔ بہت سے قابلِ ذکر علما کے ساتھ خاص مولانا مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی نے بھی شرعی نقطۂ نظر سے اس وضاحتی خط پر اعتبار جتایا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کو گھسیٹ لیا

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے منہاجی کارڈ کھیلنے میں جماعت کی دو محتاط اور صوفی مزاج علمی شخصیات یعنی خیر الاذکیا مولانا محمد احمد مصباحی سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ اور مولانا مفتی نظام الدین رضوی موجودہ صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کو بھی شامل کر لیا۔ خالص اپنے قلم سے تحریر کردہ لمحۂ فکریہ جو دراصل خود کا المیۂ فکریہ تھا، اُس پر اُن بزرگوں سے دستخط کرا لیے۔ اِس طرح جامعہ اشرفیہ کو ایک متنازع مسئلے میں بلاضرورت باضابطہ گھسیٹ لیا گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِس ''خدمتِ دینی'' کے لیے انگلینڈ سے حکم آیا تھا۔ سرزمینِ برطانیہ پر ورودِ پروفیسر طاہر القادری کے سبب بعض یارانِ مولانا یٰسین اختر مصباحی کا وہاں حلقہ، متاثر ہو رہا تھا، جس کے باعث سرزمینِ ہندوستان سے صاروخۂ بزرگانِ مثلث داغے جانے کا آرڈر جاری کیا گیا۔

ورنہ جامعہ اشرفیہ عموماً جس مسئلے پر جماعت کے علما مختلف ہو جائیں، اُس میں اپنی رسمی رائے دینے سے احتراز کرتا ہے۔ جیسے کبھی شیخ الاسلام مولانا مدنی میاں کچھوچھوی اور شیخ طریقت مولانا جیلانی میاں کچھوچھوی کے تنازع میں جامعہ اشرفیہ نے غیر جانب داری کا مظاہرہ کیا اور جیسے کہ حالیہ صوفی کانفرنس و سیمینار کے تعلق سے جامعہ اشرفیہ نے رسمی طور پر مکمل سکوت کی پالیسی اختیار کی، باوجود کہ کچھوچھوی بزرگان کے اختلافات شرعاً کم اہم نہیں تھے، اسی طرح صوفی کانفرنس پر شور شرابا بھی انتہا پر تھا، جب کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی کی حرکات تو پوچھیے ہی مت۔

ناچیز کے خیال میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اور جب دستخط کر ہی دیے تو بقیہ دونوں شخصیات کی (بزرگوں کی بارگاہ میں معافی کے ساتھ) یہ وہ تاریخی خطا تھی جس کی آج تک کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ اور اللہ کا کرنا کہ بالخصوص سنجیدہ و باشعور نوجوانانِ اہلِ علم وقلم کی طرف سے بزرگانِ مثلث کی اِس غلطی کی طرف سے علمی طور پر سخت بیزاری سامنے آئی۔

اپنے ہی شاگردوں کی طرف سے یہ حضرات اب تک اِس طرح کے ردِ عمل کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ تینوں حضرات بلکہ صحیح یہ ہے کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی کی ہزار خواہش و کاوش کے باوجود دہلی سے مبارک پور تک وہ ماہنامہ اشرفیہ ہو، یا ماہ نامہ کنز الایمان، ماہ نامہ جام نور ہو یا ماہ نامہ ماہِ نور، ہر ایک نے دوٹوک انداز میں بزرگانِ گرامی کی اِس غلطی کو ڈھونے اور اپنے صفحات میں جگہ دینے سے منع کر دیا۔

لمحۂ فکریہ کا یہ حشر دو وجہوں سے ہوا:

(1) عدمِ للّٰہیت، یعنی یہ لمحۂ فکریہ سازش سے متاثر تھا، جس کا مقصودِ واحد صرف خیالِ خاطرِ احباب تھا۔

(2) عدمِ تحقیق، یعنی پسِ اجراے لمحۂ فکریہ کوئی علمی تحقیق نہیں کی گئی تھی، بلکہ محض تہمت پسندوں کے عامیانہ پروپیگنڈوں پر اعتماد کر لیا گیا تھا۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اتنے اہم اور حساس مسئلہ پر اگر کچھ رائے دینا مقصود تھی تو خیر الاذکیا حضرت مولانا محمد احمد مصباحی اور محققِ مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی جیسی خالص علمی شخصیات کو بہرحال بقلمِ خود ہی کچھ لکھنا چاہیے تھا، مگر اُنہوں نے خود کچھ نہ لکھ کر مولانا یٰسین اختر مصباحی جو نیم سیاسی بلکہ کسی قدر سازشی ذہن بھی رکھتے ہیں، اُن کی سطورِ قلم کی لفظ بہ لفظ تصدیق کر دی!

دار القلم دہلی میں لمحۂ فکریہ کے مشمولات پر باضابطہ دہلی کے کچھ سرگرم نوجوان علما نے مصباحی صاحب سے بحث بھی کی اور معارضات قائم کیے جس پر موصوف کو شکوہ ہوا کہ اِن لوگوں نے میرا لحاظ نہیں کیا۔ مصباحی صاحب سے مختلف اعتراضات کیے گئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ گول مول کیوں ہے، انداز ایسا اختیار کیوں کیا گیا جیسے طاہر القادری دجالِ وقت اور اکبرِ زمانہ ہو۔

مصباحی صاحب سے جب کہا گیا کہ آپ جیسی شخصیت نے پروفیسر طاہر القادری کے تعلق سے ایسا کیوں کر لکھ دیا، اُس پر موصوف نے اولاً تو کہا کہ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں لکھا

ہے۔لیکن جب کہا گیا کہ آپ نے چھوڑا کیا ہے جو نہیں کہا ہے، تو فتح مندانہ مسکرائے اور بولے کہ ”یہی تو فن ہے“۔

مصباحی صاحب سے جب سوال کیا گیا کہ پروفیسر طاہر القادری کو سب کچھ کہہ ڈالنے کے پسِ حکم، شرعی ثبوت اور دلائل کہاں ہیں۔ رد پر مشتمل تحریر لکھنے سے قبل صاحبِ معاملہ سے براہِ راست ملاقات و بات کی ضرورت کیوں نہیں سمجھی گئی۔ اور پسِ اتہامات، صاحبِ معاملہ کا اصل نقطۂ نظر اور دلائل سننے سمجھنے کی زحمت کیوں نہیں کی گئی حالاں کہ پچھلے کچھ دنوں سے خاص اسی نصیحت کی آپ علم برداری کر رہے ہیں۔ گفتگو کرنے والے علما کا کہنا ہے کہ مصباحی صاحب تشفی بخش جوابات نہیں دے پا رہے تھے۔ جب کہ مصباحی صاحب کے اعتراف کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اُن کو قائل نہیں کر سکے۔

جھگڑوں نے شخصیت کو تباہ کر ڈالا

بریلی-مبارک پور تنازع جو دراصل انتہا پسندی اور اعتدال پسندی کے درمیان جنگ تھی، اِس کے مختلف سطحوں پر اثرات پڑے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی کی شخصیت پر جو اثر پڑا وہ یہ ہے کہ اب آپ ہر دو طرف کا اعتماد کھو بیٹھے۔ شدت پسند طبقہ تو حریف ہی ٹھہرا، وہ کیوں رجوع کرے۔ مگر معتدلین نے بھی یہ سمجھ لیا کہ ایک فکر اور نظریہ سے بات بڑھ کر بد ذوقی کی حد تک شخصی مجادلے میں بدل گئی ہے۔ مصباحی صاحب نے اصولی اور نپی تلی گفتگو کے بجائے معیار سے بہت گرا ہوا جدل و مکابرہ شروع کر دیا، جس کی سنجیدہ طبقہ کسی صورت حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا تھا۔

مگر اِس جنگ نے خود مصباحی صاحب کے بھی ہوش اُڑا دیے۔ مصباحی صاحب اکثر کہتے تھے کہ ”دعوت و تبلیغ کی راہیں مسدود کیوں“ نامی مضمون ذیشان مصباحی نے لکھا، اِس لیے مخالفت کی گئی کیوں کہ جماعت کے لیے اُن کی ابھی خدمات نہیں ہیں۔ جب کہ یہی چیز اگر میں لکھتا تو کوئی چوں چرا نہیں کرتا۔ مصباحی صاحب کی اِس خوش فہمی کو شدت پسند بریلویوں نے بری طرح دھو دیا۔ ”عرفانِ مذہب و مسلک“ نامی کتابچے کی جو پُر زور مخالفت کی گئی اور بدتمیزوں کی طرف سے موصوف کو جو کچھ القابات و اتہامات سننے کو ملے، اُس کے بارے میں بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کسی کو ایسا دن نہ دکھائے!

دراصل مولانا یٰسین اختر مصباحی کے اندر صلح کلیت نہیں جیسا کہ الزام دیا جاتا ہے، بلکہ عقل کلیت ہے۔ اِسی عقل کلیت کے گھمنڈ نے انہیں ڈبایا اور ٹھکانے لگایا ہے۔ موصوف شدت پسند بریلویوں سے دو دو ہاتھ ہونے کے درمیان اکثر کہتے تھے کہ ”میں نے گلا دبا لیا ہے“، ”جنگ سے پہلے نقشۂ جنگ مرتب کر لیا ہے“۔ ”ابھی تو ایک سے ایک میزائیل موجود ہیں“۔ ”یہ مضمون تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا“۔ ”منھ توڑ جواب دینا ضروری ہے“ وغیرہ۔ یہ جملے علمی اور مخلصانہ کے بجائے جدلی اور خود پسندانہ ہیں جو موصوف کی مناظرانہ شرست کی چغلی کھا رہے ہیں۔

مصباحی صاحب کے خیر خواہ جو نہیں چاہتے تھے کہ مصباحی صاحب مزید کچھ لکھیں، اپنی مخلصانہ خواہش و گزارش پر اِس طرح کی باتیں سن کر سخت مایوس اور رنجیدہ ہوتے۔ مگر ادب سے کچھ کہہ نہیں پاتے تھے۔ باہر نکل کر یہی مظلومانہ کرب دل میں لیے جس راستے آتے اُسی راستے چلے جاتے تھے کہ کس طرح ہماری آئیڈیل شخصیت خود کو تضییعِ اوقات و تجریحِ ذات میں ضائع کر رہی ہے۔

دراصل موصوف کو زعم تھا کہ جب جنگ چھڑی ہے تو وہ شدت پسندوں کو ٹھکانے لگا کے ہی رہیں گے، مگر یہ زعم بے حد غلط نکلا کیوں کہ جو لوگ سلامِ متارکت کے مستحق تھے، اُن سے پنگا لیا گیا۔ کسی کا مشورہ نہ ماننے کے پس پردہ غرہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان عقلِ کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر شدت پسندوں کے کاری حملوں کے آگے سارا غرہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔

صوفی کانفرنس کی جنونی مخالفت

اصلاح نہیں، تذلیل و اِفساد مقصود

مولانا یٰسین اختر مصباحی شدت پسند بریلویوں کے ہاتھوں اپنی شخصیت و عزت کا ناش لگوا کر بیٹھے ہی تھے کہ دہلی میں مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی کی طرف سے عظیم الشان پیمانے پر انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کرانے کا بگل بج گیا۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی نے نتائج پر نظر کیے بغیر صوفی کانفرنس کے حوالے سے بھی عجیب و غریب مخالفت و مجالدت کا حلف اُٹھا لیا۔

شدت پسند بریلویوں سے بے تکا پنگا لینے کے بعد صوفی کانفرنس کی مخالفت مصباحی صاحب کی اِس زعم کی دوسری بڑی شکست ہے کہ وہ ٹھکانے لگا کر ہی چھوڑیں گے۔ جب کہ اب تک ہم نے جو دیکھا ہے اُس کے مطابق سچ یہ ہے کہ مصباحی صاحب ٹھکانے لگانے کے بجائے خود ٹھکانے لگ کر کسی کا پیچھا چھوڑتے ہیں۔ جو حرکت اُنھوں نے شدت پسند فتوی بازوں کے ساتھ کی تھی، same حرکت انٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس کے تعلق سے کی یعنی چھچھورے پن کی حد تک پیچھے پڑ گئے اور آ بیل مجھے مارنے کی حرکت کے مترادف کسی قدر لحاظ کرنے والے مخلصین کو بے صبر کر ہی ڈالا۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی کو صوفی سیمینار و کانفرنس سے اختلاف تھا، تو اُس کا مصباحی صاحب جیسی سنجیدہ شخصیت کی شایانِ شان طریقہ یہ تھا کہ جیسے ہی اُنھیں اِس تعلق سے مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی کی ابتدائی سرگرمیاں معلوم ہوئیں، اُن ہی دنوں اُن کو فون کر کے ضروری تبادلۂ خیالات کرتے اور اپنی جائز تشویشات رکھتے ہوئے ملاقات کا وقت مانگتے یا اُن کو ہی دار القلم بلا لیتے اور بیٹھ کر پوری بات سمجھتے، اپنے اعتراضات رکھتے، اُن کے جوازات سنتے۔ بہتر ہوتا کہ مولانا خوشتر نورانی، مولانا ظفر الدین برکاتی، مولانا ذیشان مصباحی، مولانا ارشاد نعمانی وغیرہ کو بھی ملاقات میں شامل رہنے کی اجازت دیتے۔ مگر ایسا کچھ نہ کر کے موصوف نے کیا سوچا، اُن ہی کی زبانی سنیے، لکھتے ہیں:

”انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار (۱۷/ تا ۲۰ مارچ ۲۰۱۶) کی تفصیلات اور مدعو شخصیات کا علم نہ ہونے کے باوجود میں نے اِس میں شرکت سے اِس لیے انکار کیا کہ اِس کے اندر کوئی خفیہ ہاتھ اور اِس کے پیچھے کسی سیاسی پہلو سے کوئی لمبا کھیل ہے اور دہلی میں آئے دن ایسے کھیل ہوتے رہتے ہیں“۔ یعنی ذمہ دار مصلح کی جگہ شر پسند مفسد بن گئے۔

یہاں تک کہ جب مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی نے خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے پروگرام سے لگ بھگ تین ماہ قبل اپنے خاص نمائندے کو بھیج کر براہِ راست ملاقات اور تبادلۂ خیالات کے لیے وقت مانگا، تشویشات جاننا چاہیں، تب بھی موصوف نے ملاقات و بات سے انکار کر دیا، فرماتے ہیں:

”میں نے کہا کہ وہ میرے پاس تشریف لائیں یا میں اُن کے پاس جا کر ملاقات کروں، یہ تو بڑی اچھی بات ہے، مگر اِس وقت اِس موضوع پر کوئی ملاقات و گفتگو مناسب نہیں۔ یہ جواب

میں نے اِس لیے دیا کہ اپنے فیصلے اور موقف سے کسی قیمت پر میں دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اور وہ اپنی منزل کی طرف اِتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے تھے، اِیسی صورت میں اِس موضوع پر کوئی ملاقات و گفتگو نہ صرف یہ کہ بے سود رہتی، بلکہ خطرہ اِس بات کا تھا کہ گفتگو کے کسی مرحلے میں کسی طرف سے کوئی تلخی اور پھر بدمزگی نہ پیدا ہو جائے اور کسی کے تعلق سے کوئی نازیبا تبصرہ کسی کی زبان سے نہ نکل جائے“۔

غلط حیلوں کا مطلب

(1) خود یہ طے کر لیا گیا کہ اشرف میاں قدم پیچھے نہ ہٹانے کی حد تک آگے بڑھ چکے ہیں۔ جب کہ یہ ممکنہ اعتذار اشرف میاں کا حصہ و حق تھا، وہ طے کرتے کہ اب وہ پیچھے قدم ہٹا سکتے ہیں یا نہیں۔ یا کتنے ہٹ سکتے ہیں، کتنے نہیں۔

(2) مسلسل دہلی میں موجود رہتے ہوئے اشرف میاں کو قدم پیچھے نہ ہٹانے کی حد تک آگے بڑھتا دیکھتے رہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اصلاح کسی طور پیشِ نظر نہ تھی، عین وقت پر حملہ آوری اور فساد انگیزی مقصود تھی۔

(3) خود طے کر لیا گیا کہ معاملے کو سمجھنے اور نتیجہ نکالنے میں کسی غلط فہمی کا شائبہ تک نہیں، سوچ میں وحیِ الٰہی جیسی قطعیت ہے۔ براہِ راست اصل ذمہ دار تک سے ملاقات و گفتگو بے نتیجہ و بے سود رہے گی۔

(4) خود طے کر لیا گیا کہ دونوں لوگ ملاقات و گفتگو کے دوران کسی نہ کسی مرحلے میں تلخی و بدمزگی کر ہی بیٹھیں گے۔ جب کہ عین وقت پر اشرف میاں کی محنت پر پانی پھیرنے کی کوشش سے دونوں کے درمیان تعلقات مزید خوش گوار رہیں گے۔

میں مولانا یٰسین صاحب کی بارگاہ میں بڑے ادب سے عرض گزار ہوں کہ ذہانت کا مظاہرہ کرتے وقت کم از کم اِس سطح سے تو دنیا کو نہ گرایا کریں کہ آپ کی طرح ذہانت کا مظاہرہ کرنے والے نہ سہی، آپ کی ذہانت کو سمجھنے والے دنیا میں موجود ہیں۔

مصباحی صاحب کے پاس دوسرا طریقہ یہ تھا، یعنی شروعات ہی میں صدر بورڈ سے ٹیلی فونک یا براہِ راست، ملاقات و بات نہیں کر سکے، یا نہیں کر سکتے تھے اور معاملے کو نہیں سمجھ سکتے تھے، اصلاح نہیں دے سکتے تھے تو بہت سے دیگر معتدل حضرات کی طرح خاموش رہ جاتے، زیادہ کرتے تو کسی موقع پر زبانی طور سے مختصراً عدمِ اتفاق ظاہر کر کے اکتفا کر لیتے۔ لوگوں کے لیے یہ میسج اہم تھا کہ صوفی سیمینار و کانفرنس سے مولانا یٰسین اختر مصباحی نے بھی علاحدگی اختیار کر رکھی ہے۔ یہاں تک بھی برداشت کر لیا جاتا کہ سیمینار و کانفرنس سے پہلے یا بعد میں ایک بار مختصراً کچھ لکھ کر اُس کی اشاعت کرا دیتے۔ جو حق اختلاف کی مخلصانہ روش کی حد ہوتی۔

مگر مولانا نے ہر طرح کی علمی و اخلاقی حدود کو توڑ ڈالا۔ اختلاف کے بجائے مخالفت کی راہ اختیار کی اور اُس میں پورے جنون پر اُتر آئے۔ دراصل مولانا شروع ہی سے سوچے بیٹھے تھے کہ پہلے معاملہ آگے بڑھنے دو، بیچ وقت میں دھماکہ کروں گا، مولانا کو شروع ہی سے فتنہ انگیزی مقصود تھی۔

طرزِ مخالفت یہ اختیار کیا کہ پہلے بالشتے لکھ لکھ کر فیس بک اور واٹس اپ پر ڈالے، پھر جمع کر کے کتابچہ چھپوا ڈالا، طبیعت مچلی تو بعد میں پھر ایک بالشتہ لکھ ڈالا اور پھر مچلی تو پھر ایک بالشتہ لکھ مارا۔ اِس کے علاوہ پورے ایام میں دوبدو شوشہ بازی اور کانا پھوسی اِس پر مستزاد۔ فون بھی تجھ مجھ کو لگاتار لگاتے رہے کہ سنا ہے آپ صوفی کانفرنس میں آ رہے ہیں، آئیو مت، یہ مودی کانفرنس ہے وغیرہ۔

''نہ حمایت کروں گا، نہ مخالفت''

ہمیں علما و مشائخ بورڈ کے کارکن مولانا عبدالمعید ازہری جنھوں نے بحیثیتِ نمائندۂ علما و مشائخ بورڈ، مولانا یٰسین اختر مصباحی سے ملاقات کر کے صدرِ بورڈ کے تئیں ملاقات کا وقت مانگا تھا، نے بتایا کہ مصباحی صاحب نے صدر بورڈ کو ملاقات و بات کرنے کے لیے وقت دینے سے تو انکار کر دیا تھا مگر وعدہ کیا تھا کہ وہ صوفی کانفرنس کی نہ حمایت کریں گے، نہ مخالفت۔

یہ بات ہمیں مصباحی صاحب کے ایک خیر خواہ نے بھی بتائی کہ مصباحی صاحب نے اُنھیں ٹیلی فونک گفتگو میں بتایا کہ صوفی کانفرنس کی نہ وہ حمایت کریں گے، نہ مخالفت۔ بلکہ بعض صاحبان سے تو

موصوف نے یہ شکوہ بھی کیا کہ جام نور کی ٹیم والے میرے تعلق سے یہ غلط بات اُڑا رہے ہیں کہ میں صوفی کانفرنس کی درپردہ مخالفت کر رہا ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ مصباحی صاحب نے ''نہ حمایت، نہ مخالفت'' کا وعدہ کیا سوچ کر کیا اور پھر کیوں اُسے پورا نہ کر سکے۔ یہ عذر بھی درست نہیں کہ وزیر اعظم مودی اور ڈاکٹر طاہر القادری کی شرکت کی خبر سن کر مخالفت شروع کی، کیوں کہ مصباحی صاحب کی پہلی دو تحریروں ''بھاجپا کی سیاست منظور ہے، نہ قیادت'' اور تصوف اور صوفیہ کا سیاسی استعمال'' میں اِس سمت کچھ اشارہ نہیں۔ جب کہ اِن دونوں مضامین میں جس فکر و رجحان (کہ یہ سیاسی کانفرنس ہے، یہ بھاجپا سپورٹڈ ہے) کا رد ہے، وہ مصباحی صاحب پر اُسی دن سے روشن تھا جب مولانا سید محمد اشرف میاں نے کچھ بڑے علما و مشائخ کے ساتھ وزیر اعظم نریندر مودی سے ملاقات کی تھی۔

اطمینانِ مزید کے لیے مصباحی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ کریں:

''انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار (17 تا 20 مارچ 2016) کی تفصیلات اور مدعو شخصیات کا علم نہ ہونے کے باوجود میں نے اس میں شرکت سے اس لیے انکار کیا کہ دہلی کے طویل تجربات و مشاہدات (سنی کانفرنس 1995 کی طرف تو اشارہ نہیں؟) کی روشنی میں مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کے اندر کوئی خفیہ ہاتھ اور اس کے پیچھے کسی سیاسی پہلو سے کوئی لمبا کھیل ہے اور دہلی میں آئے ایسے کھیل ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے پہلے ہی مرحلے میں بفضلہٖ تعالیٰ جو بھانپ لیا تھا، وہ آج (9 مارچ 2016 بروز بدھ) سب کے سامنے ہے''۔ (پیش لفظ 'تصوف اور سیاست' از مولانا یٰسین اختر مصباحی، ناشر لمرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ، نئی دہلی)

مصباحی صاحب کے مذکورہ بیان کا مطلب یہ ہے کہ مجھ پر پہلے ہی دن سے سب روشن تھا، یعنی اگرچہ جزوی تفصیلات معلوم نہ تھیں، مگر اجمالاً سب جانتا تھا کہ آگے چل کر اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ بقول مصباحی صاحب، ہوا بھی ویسا ہی۔ لکھتے ہیں ''میں نے پہلے ہی مرحلے میں بفضلہٖ تعالیٰ جو بھانپ لیا تھا، وہ آج سب کے سامنے ہے''۔ اب سوال یہ ہے کہ جب بعد میں وہی سب سامنے آیا جو پہلے بھانپ لیا تھا، تو بھانپتے وقت یہ وعدہ کیوں کر لیا تھا کہ ''نہ میں کانفرنس کی حمایت کروں گا، نہ مخالفت''۔

دراصل مولانا کو یہ غلط فہمی تھی کہ دہلی میں کسی معتدل سنی طبقے کی طرف سے کوئی بڑا دینی پروگرام میری زبردست قیادت کے بغیر ناممکن ہے۔لہذا اولاً تو اشرف میاں نے اپنے بل بوتے پر ایسا پروگرام سوچ بھی کیوں لیا جس میں وہ مجھ جیسی بھاری بھرکم شخصیت کو، میرے ہی گڑھ میں، آگے دِکھنے والے ایک قائدِ محرک کے بجائے صفِ عام میں رہنے والے ایک مدعوِ محترم کی حیثیت سے شریک دیکھنا چاہتے ہیں۔لیکن اگر سوچ بھی لیا تو ٹھیک ہے میں پروگرام سے اپنی سیمپل سی لاتعلقی اور بے زاری ظاہر کیے دیتا ہوں، معاملہ خود بگڑ جائے گا۔

لیکن جب سیمپل سی علاحدگی و لاتعلقی بے اثر ثابت ہوئی۔اور جب یہ دیکھا کہ موصوف کو قائل کرنے یا منانے کی ایک جائز اور مناسب حد تک کوشش کے بعد لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے اور کانفرنس کی تیاریاں آئے دن عروج پکڑتی جا رہی ہیں۔دہلی میں موجود نوجوان علما مثلاً مولانا خوشتر نورانی، مولانا ذیشان مصباحی، مولانا ظفر الدین برکاتی، مولانا ارشاد نعمانی، مولانا غلام رسول دہلوی وغیرہ نہ صرف یہ کہ مصباحی صاحب کی عدمِ حمایت کا کوئی لوڈ نہیں لے رہے ہیں، بلکہ پوچھنے تک نہیں آ رہے ہیں۔بلکہ صوفی کانفرنس و سیمینار کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔حتیٰ کہ ملکی سطح پر بھی جماعت کے کچھ ہی لوگ شرکت سے انکاری ہیں اُن میں بھی بیش تر وہ جو انتہا پسند ہیں۔ باقی زیادہ سے زیادہ کی شرکت متوقع ہے۔یہاں تک کہ جامعہ اشرفیہ سے بھی لگ بھگ نصف درجن اساتذہ کی شرکت یقینی ہے۔کئی ایک کے ٹکٹ بھی بک کرا لیے گئے ہیں۔تب مصباحی صاحب کو مزید فکر دامن گیر ہوئی۔

مصباحی صاحب نے اب باضابطہ مخالفت کا فیصلہ کیا۔کانفرنس کی تیاریاں عروج پر تھیں کہ موصوف نے باضابطہ ایک مضمون لکھ کر اخبارات کے حوالے کر دیا، مگر اتنا نفاق اب بھی پالے رکھا کہ پورے مضمون میں کہیں پر بھی صوفی کانفرنس یا اشرف میاں کا نام نہ لیا۔اللہ کا کرنا کہ کچھ لوگ چونکے ضرور۔مگر نتیجہ اِس کا بھی صفر رہا، جس سے طبیعت مزید جھلاّئی۔لہذا سارے وعدے واعدے بھول کر مزید ایک تحریر لکھ دی۔لیکن جب دیکھا کہ پسِ چلمن رہ کر بات بن ہی نہیں رہی ہے۔تب بلی پوری طرح تھیلی سے باہر نکل آئی۔اور اُسے تو آنا ہی تھا۔

الزامات واتہامات

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے صوفی سیمینار و کانفرنس کے تعلق سے کئی ایک اعتراضات کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سیمینار و کانفرنس تصوف کا سیاسی بلکہ سازشی استعمال بلکہ استحصال ہے۔یہ سارا کچھ عالمی سطح پر یہودی لابی اور ملکی سطح پر آر ایس ایس کے جال میں پھنس کر ہو رہا ہے۔

موصوف کی بدگمانی کی ثمراتی حدیں یہ ہیں کہ انٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس کے قومی و عالمی موئدین و شرکا کی طرف سے اِتنا سب کچھ جو لکھا، پڑھا، بولا، سنا گیا، یہ سب تصوف اور صوفیہ کا سیاسی و سازشی استعمال ہوا۔نیز صوفی سیمینار و کانفرنس کے شرکا مشائخ، صوفیہ، علما، مفکرین، دانش وران، بے علم نہیں تو ناسمجھ اور دینی و ملی نقطۂ نظر سے بے بصیرت ضرور ہیں کہ جس میں مودی اور طاہر القادری کی شرکت رہی، اُس میں شرکت کی اور نتائج پر غور نہیں کیا۔مولانا ثاقب شامی کی طرح اپنا موقف بھی واضح نہ کر سکے۔یا جس طرح کبھی سیاسی طور پر مولانا عبید اللہ خاں اعظمی نے عین وقت پر اپنا stand کلیئر کیا تھا، ایسا بھی نہیں کیا۔

مولانا نے صوفی کانفرنس کے نام پر بھی اعتراض جتایا ہے، لکھتے ہیں: ’’معتدل اسلام اور انتہا پسند اسلام کی طرح چند سالوں سے صوفی اسلام اور وہابی اسلام بھی درحقیقت انٹرنیشنل لابی کی شیطانی کھوپڑی کی رائج کردہ اصطلاح ہے جو مسلم معاشرے میں گھسنے کی راہیں تلاش کر رہی ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے‘‘۔

جب کہ سچ یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں گھسنے کی راہیں نہیں، بلکہ مسلم معاشرے سے نکل کر ہر عام و خاص کے درمیان متعارف و مشہور ہونے کی راہیں تلاش کر رہی ہے۔اِس کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے شیعہ اسلام اور سنی اسلام کا ہے۔جب مسلمانوں میں مسلکی سطح پر وہابیت رونما ہوئی تو امتیاز کے لیے صوفی اسلام اور وہابی اسلام کی اصطلاحات وضع کر لی گئیں۔

یہی صوفی اسلام اور وہابی اسلام ہندو پاک میں کسی حد تک بریلوی مسلک اور دیوبندی مسلک کے نام سے جانے جاتے ہیں۔مجھے حیرت ہے کہ اِس طرح کی باتیں وہ کر رہے ہیں جو خود اپنے گھر

میں اسلام وسنیت کو ایک نئے اور بدعتی نام 'مسلکِ اعلیٰ حضرت' سے متعارف کراتے ہیں۔ تو کیا یہ
بھی ''انٹرنیشنل لابی'' کی سازش اور اُس کی شیطانی کھوپڑی کی رائج کردہ اصطلاح ہے؟

مولانا کو سیدھے سیدھے گھر کا جائزہ لینا چاہیے کہ اِس کے لیے داخلی سطح کے لوگ ذمہ دار ہیں۔ شیخ
ابن تیمیہ، ابن عبدالوہاب نجدی، سید قطب، حسن البنا، مولانا مودودی، سید احمد رائے بریلوی، اسماعیل دہلوی
وغیرہ۔ یا عبداللہ عزام، اسامہ بن لادن، ایمن الظواہری، ابو محمد مقدسی، ڈاکٹر فضل وغیرہ۔ یا القاعدہ، طالبان،
لشکر طیبہ، بوکو حرام، داعش وغیرہ یہودی عیسائی لوگ یا تنظیمیں تحریکیں نہیں۔ مجموعی طور پر یہ مسلمانوں کا وہ طبقہ
ہے جنھوں نے اسلام کی جارحانہ ومتشددانہ تعبیر وتشریح کی ہے۔ نیز مخصوص فکر کے ساتھ توحیدِ خالص، جہاد
اسلامی، حاکمیتِ الٰہ، جدید جاہلیت جیسے ناموں سے ایک خاص فکر کو فلسفیانہ بنیادیں فراہم کی ہیں۔

اِسی مخصوص طرزِ فکر کے ساتھ بازارِ کتب میں لٹریچر کی بھرمار ہے جس میں قرآن مجید کی تفاسیر بھی
ہیں، احادیثِ نبوی کی شروحات بھی، فقہ وفتاویٰ کے مجموعے بھی ہیں نیز مجموعی تعبیرِ دین پر مشتمل کتابوں کی
بہتات بھی۔ اِن کے لکھنے والے یہودی عیسائی یا آر ایس ایس مفسرین وشارحین اور فقہا ومحدثین نہیں تھے۔
غرض یہ اسلام کے نام پر نظریاتی جارحیت، وہابی انتہا پسند فکر کی دَین ہے۔ وہابیہ کی طرف سے یہ اسلام کی
سیاسی وجارحانہ تعبیر وتشریح ہے۔ ماضی میں جیسا کہ خوارج کی اسلام کے حوالے سے یہی تاریخ رہی ہے۔

رہی ''انٹرنیشنل لابی'' کی بات، تو سوال یہ ہے کہ خود مسلمانوں کی طرف سے سامنے آرہے
اسلام کے نام پر نرم وسخت رویوں کو دنیا کس نام سے پکارے، بتا سکتے ہیں؟ دراصل دنیا کو منھ کھولنے کے
مواقع دانستہ یا غیر دانستہ ہم ہی میں سے کچھ انتہا پسند فراہم کررہے ہیں جس کی روک تھام کی ضرورت
ہے، بلفظِ دیگر گھر کی اصلاح کی حاجت ہے۔ صوفی کانفرنس کا مقصد یہی تھا۔ صوفی کانفرنس والوں نے
اسلام سے متعلق ''انٹرنیشنل لابی'' کے منفی پروپیگنڈوں کو درست یا محمود نہیں ٹھہرایا، بلکہ کام کے داخلی محاذ
پر اصلاح وتنبیہ کا کام چھیڑا ہے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی کو اِس پر بڑی تشویش رہی کہ اتنے بڑے event کے لیے کروڑوں
روپیہ کہاں سے آیا، حالاں کہ ایک مثبت اور تعمیری شخص کے لیے اہم یہ تھا کہ کام کس نوعیت سے کیا جانا
چاہیے اور پالیسیاں کس طرح کی ترتیب دی جانی چاہئیں۔ رہا سوال ہی کا جواب، تو کیا خود مصباحی

صاحب جو اپنے دارالقلم کے لیے دہلی وخارجِ دہلی سے چندہ کراتے ہیں، کیا ایک ایک روپے کا حساب
دے سکتے ہیں، جو کانفرنسیں ملک بھر میں آج تک کیں، یا کرائی ہیں، حساب دیا ہے کبھی اُن کا۔ ملک میں
بڑے بڑے ادارے چل رہے ہیں، کیا اُن کی آمد وخرچ کی منصفانہ تفصیلات شائع ہوتی ہیں؟

دوسری بات وہ مفروضہ صحیح ہو جس طرف موصوف اشارہ کررہے ہیں۔ تب بھی حدیثِ نبوی
ہے کہ اسلام کو فاسق وفاجر شخص سے فائدہ مل سکتا ہے، خود عہدِ رسالت میں اِس کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایسا
کرتے وقت فاسق وفاجر کے پیشِ نظر اپنے مفادات بھی ہوتے ہیں، ہاں یہ طے کرنا اجتہادِ نظر ہے کہ
مجموعی فائدہ کس کا زیادہ ہے۔ اب فرض کیجیے ''دورائیں'' مختلف ہوگئیں، تو بشریت کا تقاضا ہے کہ کوئی
بھی فکری فریق اپنی رائے کو وحیِ الٰہی تصور نہ کرے کہ حق وہی ہے جو اُس نے سوچ رکھا اور نتیجہ نکال رکھا
ہے۔ بلکہ اپنا نقطۂ واضح کرے اور خیر کی دعا کرتے ہوئے معاملہ اللہ کے سپرد کردے۔ کیوں کہ قطعی طور تو
اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ خیر کس میں ہے۔

سنی کانفرنس 1995 پر مذموم چھینٹا کشی

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے صوفی کانفرنس کی مخالفت کے دوران 1995 والی سنی کانفرنس
(رام لیلا میدان، دہلی) اور اُس کے انعقاد گزار علامہ ارشد القادری سے متعلق اشارتاً اور بعد میں کسی حد
تک صراحتاً جماعت فروشی کے سنگین الزامات لگانے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اِس طرح کہ صوفی کانفرنس
کے خلاف ایک مضمون میں مصباحی صاحب نے اپنے متعلق کہا کہ 1995 میں کانگریس نے اُنہیں
خریدنے کی کوشش کی اور بدلے میں طویل وعظیم فائدے دکھائے مگر وہ نہیں بکے۔

بظاہر یہ انکشاف ایک خبرِ محض ہے۔ مگر بے حد باریک اور دبی سیاست کھیلنے والے مولانا اپنے
اِس اشارے سے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کو ٹارگیٹ پر لیے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا
جائے تو تصریح میں تعریض ہے۔ گرفت کے بعد مزید انکشافات کیے۔ یہ اقتباسات دیکھیں:

''کانگریس کی نرسمہا راؤ لابی نے 1995ء میں پورے ملک کا سروے کرایا کہ ہندوستانی
مسلمانوں کا کون سا طبقہ اکثریت میں ہے، سروے کا مقصد یہ تھا کہ اس اکثریتی طبقے کو رام کرکے

1996ء کا پارلیمانی الیکشن کسی طرح جیت لیا جائے، سروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ ملک میں بریلوی خانقاہی مسلمانوں کی تعداد، اسّی (80) فی صد ہے۔

بس پھر کیا تھا، کروڑوں روپے کا بجٹ مختص ہوگیا کہ اس اکثریت کے بعض زیرِ دام آنے والے مذہبی حضرات کی خدمت میں مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے نذرانہ، شکرانہ کی شکل میں کچھ پیش کرنے اور اپنی بات آگے بڑھانے کا سلسلہ شروع کیا جائے، رابطے کی خدمت انجام دینے کے لیے ایک پہنچے ہوئے مہاشے جی منتخب ہوئے کہ باا ثر مذہبی حضرات سے رابطہ کر کے اُنہیں کانگریس کے حق میں رام کریں...

...1995-1996 میں جب کہ نرسمہاراؤ کی کانگریس کے زمانے میں مذہبی شخصیات اور مشائخ وسجادگان کو سیاسی طور پر اپنا ہم نوا بنانے کے لیے ''پیسے کی گنگا'' بہہ رہی تھی، اور آج 2016 میں جب نریندر مودی کی بھاجپا اسی طرح کی گنگا بہا رہی ہے اور اس میں نہ جانے کتنے لوگ گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ ''ہر دو سنگین مواقع'' پر میں محفوظ و مامون رہا...

...1995ء میں رام لیلا میدان، نئی دہلی کی سنی کانفرنس کے انعقاد سے کئی ہفتے پہلے اپنے ایک غیر ملکی دورے کی وجہ سے ہندوستان سے باہر رہا۔ اور ''واپسی اسی وقت ہوئی جب کہ یہ کانفرنس ختم ہو چکی تھی''، ایسی صورت میں اس سے متعلق کسی تعاون، کسی شرکت اور تائید و اختلاف کا سوال ہی خارج از بحث ہے''۔

مصباحی صاحب کے مذکورہ اقتباسات میں ایک بات تو بالکل صاف ہے کہ 1995 میں کانگریس نے دیوبندیوں، وہابیوں یا اہلِ تشیع کے بجائے بریلویوں کو ملت فروشی کے لیے آمادہ کیا اور بدقسمتی سے وہ اپنے تمام مقدس جماعتی چہروں کے ساتھ اس کے لیے تیار بھی ہوگئے، جس کے بدلے اُن پر پیسے کی گنگا بہائی گئی۔ صرف مولانا یٰسین اختر مصباحی بچے جنہیں پیسے کی ریل پیل اپنی طرف کھینچنے سے عاجز رہی۔

مصباحی صاحب کے اِس خلاصے سے ہم جیسے بہت سے لوگوں کی معلومات میں بریلوی جماعت کے حوالے سے یہ نیا اضافہ آیا کہ پیسوں کے آگے سجدے کرنے میں بعض دیگر فرقوں کی طرح بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں اور اِس سلسلے میں اُن کی بھی ایک تاریخ ہے۔

مبہم تنقید کے منفی اشارے

1995 میں بریلویوں نے پیسے کے عوض کانگریس کے حق میں کس قسم کا کردار ادا کیا اور کانگریس سے ہوئی کروڑوں کی اِس ڈیل کے ڈرامے کا اصل کردار کون تھا، اِن جیسے سوالات کے جوابات مصباحی صاحب کے اقتباسات میں ظاہراً تو نہیں، لیکن اہلِ فہم پر اقتباسات ہی کے طرزِ ادا سے عیاں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(1) 1995-1996 کے سال بریلویوں کی طرف سے جو کچھ قابلِ ذکر ہوا، وہ اُس سال کی نہایت تاریخی اور مشہور ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' تھی جس کی کمان علامہ ارشد القادری کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ کانفرنس روایتی انداز میں نہ خالص مسلکی تھی، نہ خالص مذہبی، بلکہ مسلّمہ طور پر اُس وقت کے اعتبار سے بے حد ہنگامہ خیز و نیم سیاسی تھی جو بلا شبہ حکومتِ وقت یعنی کانگریس حکومت کی مدد سے یا مدد طلب کرنے کی غرض سے کرائی گئی تھی۔ جب کہ بدلے میں اس کو اپنے مخصوص انداز میں کانگریس کی سیاسی حمایت کرنا تھی۔ یہ سارا کچھ تمام عمر رسیدہ وادھیڑ عمر بریلوی حضرات کو آج تک بھی اچھی طرح معلوم ہے۔ ہم نے بھی اِن حضرات سے سیکڑوں بار سنا ہے۔ یہ حضرات، علامہ ارشد اور سنی کانفرنس اور اُس کے مقاصد اور مقاصد میں ناکامی کے قصے آج تک بڑی حسرت کے ساتھ سناتے آئے ہیں۔

ایسے میں سوال یہ ہے کہ اگر کانگریس کے پیسے کی گنگا کے عوض بریلویوں نے یہ نیم سیاسی واحد کانفرنس منعقد نہیں کی جس کی قیادت علامہ ارشد القادری کر رہے تھے، تو وہ کیا کچھ ہے جو 1995 میں بریلویوں نے کانگریس کے حق میں رام ہو کر کیا۔ ہماری نظر میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر انصاف کے ترازو کے ایک پلڑے میں کانگریسی پیسے کی گنگا رکھ دی جائے، جب کہ دوسرے پلڑے میں بریلوی خانقاہیوں کی ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' نہ رکھی جائے، تو کانگریس اور خانقاہی بریلویوں کے درمیان کی ڈیلنگ نشیب و فراز کی غیر منصفی سے بچتے ہوئے balance میں نہیں آپائے گی۔

(2) یہ بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ 2016 میں ہندوستان کے سنی صوفی مسلمانوں کی طرف سب سے بڑا، اور نیم سیاسی event صوفی کانفرنس رہا ہے۔ ایسے میں آج یا آج سے دس بیس سال بعد کوئی

ذمے دار سنی صوفی عالم یہ کہے کہ 2016 میں جب ملک کے سنی صوفی مسلمانوں پر مودی حکومت کی طرف سے پیسے کی گنگا بہہ رہی تھی تا کہ مسلمانوں کے اکثریتی طبقے کو اپنے حق میں رام کر کے کسی طرح 2017 کا پارلیمانی الیکشن جیت لیا جائے، ایسے سنگین موقع پر بحمد اللہ میں پوری طرح محفوظ و مامون رہا، یعنی پیسے کی ریل پیل دیکھ کر میں ملی مفاد سے دست بردار نہیں ہوا۔

تو سوال یہ ہے کہ اُس ذمے دار سنی صوفی عالم کے اس اندازِ گفتگو سے کیا سمجھا جائے گا۔ کیا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ بیان پوری طرح صوفی کانفرنس 2016 کے پس منظر میں ہے اور بیان سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، صاف صاف تو یہ کہ 2016 میں صوفی کانفرنس کے دنوں میں عالمِ موصوف، مودی حکومت کے ہاتھوں بکنے سے محفوظ رہے جب کہ تعریض و اشارے میں یہ کہ صوفی کانفرنس کے لوگ، مودی حکومت کے پیسے کی گنگا کی ریل پیل کے آگے اپنے دین دھرم کا سودا کر بیٹھے اور یہ کہ مودی حکومت اور سنی صوفی مسلمانوں کے درمیان ڈیل کا اصل کردار مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی ہیں۔

حالاں کہ بظاہر سنی صوفی عالم نے یہ سب باتیں نہیں کہیں، بظاہر عالم صاحب نے صرف اتنا کہا کہ 2016 میں جب مودی حکومت کی طرف سے ملک کے سنی صوفی مسلمانوں پر پیسے کی گنگا بہہ رہی تھی، ایسے سنگین حالات میں، میں پوری طرح محفوظ و مامون رہا۔ اُنھوں نے بات صرف اپنے متعلق کہی اور بس، بیان میں نہ کہیں صوفی کانفرنس کا ذکر کیا، نہ اشرف میاں کا کوئی نام لیا، نہ شرکاے صوفی کانفرنس و ارکانِ کانفرنس کے ملوث ہونے جیسا بظاہر کوئی شوشہ چھوڑا۔ بقول مولانا یٰسین اختر مصباحی 'یہی تو فن ہے'۔

(3) مولانا یٰسین اختر مصباحی نے سنی کانفرنس 1995 اور اُس کے تناظر میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی شخصیت کو ٹارگیٹ کیا ہے، یہ بات بایں طور بھی ثابت ہوتی ہے کہ موصوف سنی کانفرنس اور اس کے پس منظر میں علامہ ارشد القادری کے حوالے سے منفی سوچ رکھتے ہیں۔ منفی سوچ بایں طور سمجھ میں آتی ہے کہ موصوف سنی کانفرنس کے دنوں جب ہندوستان سمیت دنیا بھر سے بریلوی علما راجدھانی دہلی میں اکٹھے ہو رہے تھے، یہ جناب ملک چھوڑ کر بیرونِ ملکوں کی ہوا کھانے نکل گئے تھے۔ لکھتے ہیں:

''1995ء میں رام لیلا میدان، نئی دہلی کی سنی کانفرنس کے انعقاد سے کئی ہفتے پہلے اپنے ایک غیر ملکی دورے کی وجہ سے ہندوستان سے باہر رہا۔ اور واپسی اسی وقت ہوئی جب کہ یہ کانفرنس ختم ہو چکی تھی، ایسی

صورت میں اس سے متعلق کسی تعاون، کسی شرکت اور تائید و اختلاف کا سوال ہی خارج از بحث ہے''۔

مصباحی صاحب کا یہ بیان بڑا معنی خیز ہے۔ کیوں کہ کم از کم تائید و اختلاف کا مسئلہ محض بیرونِ ملک نکل جانے سے خارج از بحث نہیں ہو جاتا، پھر مصباحی صاحب اس انداز سے بات کیوں کر رہے ہیں۔ تعجب یہ بھی ہے کہ دہلی میں ہو رہی اتنی عظیم کانفرنس کو چھوڑ کر جنابِ عالی بیرونِ ملک کس کام سے نکل گئے۔ جب کہ ایسے مواقع پر تو لوگ دوسرے ملکوں سے اپنے ملک واپس آتے ہیں، بُک کیے ہوئے ٹکٹوں کو کینسل کرا دیتے ہیں، اہم پروگراموں کو رد کر دیتے ہیں وغیرہ۔

مصباحی صاحب کے لیے مزید خاص بات یہ تھی کہ اُن دنوں آپ دہلی میں دار القلم کے قیام و استحکام کے لیے جدوجہد کر رہے تھے جو اُس وقت تک آپ کی علمی و فکری زندگی کا سب سے اہم ہدف تھا، اُس کے لیے آپ نے اپنی معاشی تنگی کے باوجود ذاتی خرچ سے سالوں ماہنامہ حجاز جدید جاری کیا تا کہ جماعت کی اس طرف توجہ دلائی جائے اور اس کے لیے ذہن سازی کی جائے۔ یہی کام آپ نے حجاز جدید بند کرنے کے بعد ماہنامہ کنز الایمان کے پلیٹ فارم سے جاری رکھا۔

غرض خاص مصباحی صاحب کے لیے دہلی کے اندر سنی کانفرنس کے انعقاد کا موقع بے حد اہم تھا کیوں کہ دہلی کے علاوہ مارہرہ، بریلی، کچھوچھہ، مبارکپور، مرادآباد، بہار، راجستھان، کیرالا وغیرہ کے اکابر علما و مشائخ تشریف لا رہے تھے۔ ایسے حسین موقع پر جماعت کے ان بزرگوں سے دار القلم کا تعارف کرانا، اُنھیں دار القلم کے منصوبوں سے واقف کرانا، اُن میں سے بعض حضرات کو دار القلم تک لے کر جانا اور اب تک کی تعمیری و علمی سرگرمیاں دکھانا، آگے کے پلان سے واقف کرانا اور ساتھ ہی مسائل و مشکلات رکھنا بے حد ضروری بھی تھا اور بے حد آسان بھی۔

پھر مصباحی صاحب کے لیے بروقت ملک چھوڑنے کی مجبوری نہ سفرِ حج کے باعث تھی، نہ موت و زیست جیسی کشمکش کی حالتِ طاریہ کے سبب، نہ یہ ممکن کہ موصوف کو دن کے دن کانفرنس کی خبر لگی تھی، کیوں کہ پروگرام مہینوں پہلے سے طے تھا جس کی تیاریاں بھی مہینوں سے چل رہی تھیں۔ غرض سنی کانفرنس کے وقت مصباحی صاحب کا ملک چھوڑ کر فرار ہو جانا، ہر طرح سے شبہات کے گھیرے میں آتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

(3) مصباحی صاحب نے سنی کانفرنس کے مقصدِ مقدس پر انگلی اُٹھائی ہے اور اس کے پس منظر میں علامہ ارشدالقادری کی کردارکشی کی ہے، اِس الزام کو اِس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ موصوف سنی کانفرنس1995 کے ذکر سے آج تک بچتے رہے ہیں۔ جیسا کہ اُنہوں نے صوفی کانفرنس کے دنوں ایک ٹیلی فونک گفتگو کے دوران ایک معروف ملی صحافی سے اس کی صراحت کی ہے اور اُن سے تاکید کر کے یہ بات ناچیز ناصر رامپوری تک پہنچوائی ہے۔

الزام کو تقویت اِس طور پر ملتی ہے کہ آخر کیوں بچتے رہے ہیں۔ اگر سنی کانفرنس 1995 کی نوعیت اور نوعیت کے ساتھ اس کے انعقاد کا فیصلہ علامہ ارشدالقادری نے نیتِ خیر سے کیا تھا، کانفرنس کی شکل میں علامہ اور علامہ کے مویدین وشرکا نے ملت فروشی نہیں کی، تو مقصدِ نیک کے لیے کی جانے والی مقدس کانفرنس کہ جس میں بعض دیگر سنی مذہبی شخصیات کے ساتھ پوری بریلوی جماعت شریک رہی، اُس کے ذکر سے مولانا یٰسین اختر مصباحی آج تک کیوں بچتے رہے ہیں؟

مصباحی صاحب سنی کانفرنس اور اس کے انعقاد گزار علامہ ارشدالقادری کے تئیں مثبت سوچ رکھتے تو ضرور وہ اس کے ذکر سے آج تک دانستہ بچتے نہیں رہتے، جیسا کہ دیگر علماے جماعت، علامہ کے اس اقدام کو آج تک بڑے فخر سے بیان کرتے رہے ہیں۔ اور جب یہ صاف ہے کہ موصوف مثبت نہیں بلکہ منفی سوچ رکھتے ہیں، تو سیدھی بات ہے کہ 1995 میں کانگریس کی نرسمہاراؤ حکومت نے جو بریلوی خانقاہیوں پر پیسے کی گنگا بہائی تھی، اُس کا عوض بریلویوں کی طرف سے یہی سنی کانفرنس تھی جو مصباحی صاحب کے تعریضی الزامات کی روشنی میں پوری طرح paid تھی اور اِس پورے کھیل میں اصل کردار علامہ ارشدالقادری نبھا رہے تھے جنہوں نے کانگریسی پیسے کی گنگا کے عوض اُس وقت کی پوری بریلوی جماعت کو کانگریس کے درِ دولت پر سجدہ ریزی کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ بس محفوظ رہا تو صرف ایک فرشتہ جسے دنیاے سنیت مولانا یٰسین اختر مصباحی کے نام سے جانتی ہے کیوں کہ وہ خطرہ بھانپ کر بیرونِ ملک کے دوروں پر نکل گئے تھے۔

(4) مولانا یٰسین اختر مصباحی کے مذکورہ تعریض بھرے جملے پڑھ کر صرف میں ہی اس نتیجے پر نہیں پہنچا کہ اُن میں سنی کانفرنس اور اُس کے انعقاد گزار میں علامہ ارشدالقادری کی شخصیت پر ملت فروشی کی

سنگین الزام تراشی کی گئی ہے، بلکہ علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمہ کے فرزند مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی (امریکہ) نے بھی کچھ یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ صوفی کانفرنس سے متعلق اپنی ایک تحریر میں گزارش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اپنے احباب سے بھی اور ''بزرگوں'' سے بھی گزارش ہے کہ قائد اہل سنت علیہ الرحمہ اس دنیا میں نہیں رہے ہیں، لہٰذا اگر اُن کی خدمات کی ستائش نہ کرسکتے ہوں تو کم از کم اُنہیں ہدفِ تنقید نہ بنایا جائے''۔

اقتباسِ مذکور میں ''احباب'' کا لفظ وزنِ شعری کے لیے ہے، ورنہ جماعت کے ''بزرگ'' عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی کے علاوہ کسی نے بھی علامہ ارشدالقادری اور آپ کی سنی کانفرنس 1995 پر کسی طرح کا منفی طنز وتعریض نہیں کیا ہے۔

بحث کے آخر میں قارئین بعض اُن بڑی علمی و مذہبی شخصیات کے اسماے گرامی بھی ملاحظہ کریں کہ جنہوں نے نہ صرف زبانی طور سے سنی کانفرنس کی حمایت کی بلکہ علامہ کا ہر قدم ساتھ دیتے ہوئے عملی طور پر شریکِ اجلاس رہے۔ ایسی صورت میں مولانا یٰسین اختر مصباحی کے اتہامات کی زد میں یہ شخصیتیں بھی ضرور آئیں گی، یہ کہ نرسمہاراؤ حکومت نے مندرجۂ ذیل حضرات پر بھی پیسے کی گنگا بہائی تھی:

مفتی اختر رضا خاں بریلوی، مولانا سید نجیب حیدر مارہروی، سربراہِ اعلیٰ مولانا عبدالحفیظ مبارک پوری، مولانا شیخ ابوبکر کیرلا، مولانا ضیاالمصطفیٰ گھوسوی، مولانا سید مظفرحسین کچھوچھوی، مفتی اشفاق حسین نعیمی راجستھان، مفتی مکرم احمد نقش بندی دہلوی، مولانا عبدالمبین نعمانی چریاکوٹی، مفتی محمد میاں ثمر دہلوی، مفتی عبدالمنان کلیمی مرادآبادی، مولانا شیر محمد خان بیکانیری؟ وغیرہ۔

اُنہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں.......................زبان میری ہے بات اُن کی

بھارت ماتا کی جئے کا مسئلہ

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے وگیان بھون کے افتتاحی اجلاس میں لگے ''بھارت ماتا کی جئے'' کے نعرے کا مسئلہ شدت سے اُٹھایا ہے اور کئی ایک اعتراضات کیے ہیں، جن کے ترتیب وار جوابات حاضر ہیں۔

(1) یہ نعرہ کیوں لگا؟

جواباً عرض ہے کہ یہ نعرہ کسی مسلمان نے نہیں، بلکہ وہاں موجود میڈیا کے لوگ، سیکورٹی گارڈز، دیگر لواحقین وغیرہ میں سے کسی غیر مسلم نے مودی کی آمد یا دوران خطاب جوشِ وطن پرستی یا پروگرام میں بدمزگی پیدا کرنے کی سازش کے تحت لگایا۔ مولانا رضا فراز مصباحی (اردو انقلاب دہلی) نے ناچیز کو بتایا کہ وہ اُس لڑکے کو جانتا ہے جس نے یہ نعرہ لگایا، وہ ہندو ہے۔ اُس نے مودی سے قربت پانے کی نیت سے ایسا کیا ہوگا۔

ناچیز کو ایک فاضل دوست نے بتایا کہ اُنہوں نے براہِ راست مصباحی صاحب کو بھی اُن کے متعلقہ مضمون لکھنے سے قبل ایک ملاقات میں یہ بتا دیا تھا کہ ''یہ نعرہ وہاں موجود غیر مسلم لوگوں میں سے کسی نے لگایا۔ نعرہ لگانے میں کوئی مسلمان یا کسی طرح بورڈ کی شرکت یا حمایت نہیں۔ میں اس کا چشم دید گواہ ہوں''۔

پس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ نعرہ یوں لگا کہ اُسے کسی ہندو نے لگایا جو اسلامی شریعت کا پابند نہیں تھا، اور اُس نے اس لیے لگایا کہ سیکولر ہندوستان کے دستور میں یہ نعرہ ممنوع نہیں، جب کہ ہندو دھرم میں یہ جائز ہے۔ جب کہ لگانے سے پہلے ذمہ دارانِ بورڈ وغیرہ میں سے کوئی بھی اُسے اس لیے نہ روک سکا کہ کسی کو علمِ غیب نہیں تھا۔

(2) بروقت تردید کیوں نہیں کی گئی؟

جواباً عرض ہے کہ کون کہتا ہے کہ تردید نہیں کی گئی، ہاں یہ ضرور ہے کہ حکمی نہیں، عملی تردید کی گئی۔ وہاں کسی نے فتویٰ جواز نہیں دیا کہ بروقت فتویٰ عدم جواز جاری کیا جاتا، بلکہ عملی ارتکاب کیا گیا۔ ظاہر ہے حکم کا جواب حکم ہے اور عمل کا جواب عمل۔ پروگرام میں عملی ارتکاب کا جواب عملی احتجاج و تردید سے دیا گیا، یعنی عمل سے بروقت روک دیا گیا۔

ناچیز کو وگیان بھون کے پروگرام میں شرکت کرنے والے کئی ایک فاضلین نے بتایا کہ جس وقت کسی نامعلوم غیر مسلم شخص نے یہ نعرہ لگایا، اُس وقت صدر بورڈ مولانا سید محمد اشرف میاں نے ہاتھ

اُٹھا کر اُس شخص کو منع کیا۔

جب کہ جام نور مئی 2016 کے اداریے میں مولانا خوشتر نورانی کی صراحت کے مطابق، دوسری بار اُس غیر مسلم نے یہ نعرہ لگایا تو مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی نے مجھ (خوشتر نورانی) سے اُس شخص کو روکنے کے لیے کہا، میں نے فوراً سیکورٹی عملے کو مطلع کیا کہ اِس شخص کی وجہ سے یہاں انتشار ہو رہا ہے، چناں چہ سیکورٹی حرکت میں آئی جس کے بعد کسی نے یہ نعرہ نہیں لگایا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نہ کسی مسلمان نے یہ نعرہ لگایا، نہ کسی مسلمان نے اُسے مسلمانوں کے لیے شرعاً جائز کہا، یہاں تک کہ کسی غیر مسلم نے بھی نعرے کو مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہا، نہ از روے شرع، نہ از روے وطن پرستی۔ ایسے میں بظاہر یہ وضاحت کہ یہ نعرہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، قدرے بے تکی بات ہے۔ کیوں کہ جب ایک ہندو نے یہ نعرہ لگایا، تو اِس سے مسلمانوں سے متعلق اُس کے جواز و عدمِ جواز کا مسئلہ کہاں سے آ گیا؟ مزید یہ کہ نعرہ بھی ہندو ہی نے لگایا، مسلمان نے نہیں۔ اور ہندو ہی کے استقبال کے لیے لگایا گیا، مسلمان کے استقبال کے لیے نہیں۔

جب کہ مخلصین کے لیے جواب یہ ہے کہ عین شباب پر پہنچے پروگرام کی نزاکت دیکھتے ہوئے وضاحت حکمتِ موقع کی خلاف سمجھی گئی، صرف عملاً روک دینے پر اکتفا کر لیا گیا، کہ اِس سے زیادہ کاروائی سے پروگرام کرکرا ہوتا اور غیر ضروری طور پر ایک شوشے میں بدل جاتا اور یہی شاید ہندو نعرے باز کا مقصد رہا ہوگا۔ غرض اِتنے بڑے پروگرام اور اِتنے عظیم اہتمام کہ جس میں انٹرنیشنل سطح کی شخصیات موجود تھیں، خود ملک کے وزیر اعظم کی آمد ہو چکی تھی، وضاحت کئی پہلوؤں سے عجب باعثِ توجہ ہوتی۔ ایسا کرنا حکمتِ وقت اور نزاکتِ موقع کے خلاف تھا۔ میڈیا بھی اُس کو لے اُڑتا، جس طرح عدمِ تردید کو کچھ لوگ لے اُڑے۔

خلاصہ یہ کہ خلوصِ نیت سے دیکھا جائے تو سارے اعتراضات دفع دکھائی دیتے ہیں اور حسنِ ظن اور تاویلِ حسن کے سارے دروازے کھلے نظر آتے ہیں۔ لیکن منفی سوچ میں ضرورت سے زیادہ آپا کھو بیٹھنے والے، دودھ کے دھلے مولانا یٰسین اختر مصباحی حسن ظن کا تکلف نہیں اُٹھا سکے۔

شانتی سمیلن بدایوں (2011) پرچپی

مولانا یٰسین اختر مصباحی،صوفی کانفرنس کے افتتاحی پروگرام میں لگے نعرے پرتڑپ اُٹھے، سوال یہ ہے کہ پھر بدایوں میں مولانا اسیدالحق بدایونی علیہ الرحمہ کے ذریعے منعقد''آل انڈیا شانتی سمیلن''(2011ء) جس میں شریک بعض ہندو دھرم کے گروؤں نے اپنے ہندودھرم کے مطابق جو غیرشرعی وشرکیہ کلمات،آغاز ودرمیانِ تقریر کہے تھے،اُن کوموصوف بروقت موجود ہوتے ہوئے کیوں نہ روک سکےاورکیوں بروقت شرعی حکم واضح نہیں کرسکے؟

بلکہ اگرکسی معتبر مذہبی خانقاہ،ادارہ،شخصیت کومتعصب سوچ اورمنفی جذبے سے ٹارگیٹ پرلینے کا خود پسندانہ ومنصوبہ بند جنونی عہد کرلیا جائے اور متعلقہ ذمہ داران سے دانستہ رجوع کیے بغیر،محض شاطرانہ مقصد سے اخبارات کی سرسری اورلاپرواہانہ خبرنویسی اورخبر کے الفاظ وتعبیرات پرمصلحتاً بھروسہ کرلیا جائے،جیسا کہ یہی فریضہ مولانا یٰسین اختر مصباحی نے ڈاکٹر طاہرالقادری سے متعلق افواہوں پریقینِ خودتخلیقانہ کیا۔توبدایوں شانتی سمیلن سے متعلق اخبارات،شہ سرخیاں کچھ اس طرح لگارہے تھے کہ:

(1)''قومی ایکتا (متحدہ قومیت) کی مثال بنے گا سمیلن'' (صفحہ 4 ہندی روزنامہ ہندوستان 13 فروری 2011 بریلی اڈیشن)

(2)''ساتھ ساتھ گونجے نعت وشلوگ''

(3)''شانتی سمیلن کے بہانے جاتی اوردھرم کا متھک (اسطورہ) توڑنے کی ساجھا کوشش سبھی کو بھا گئی''

(4)''سوامی اگنی ویش کی باتیں ہرطبقے کو بے حد پسند آئیں جن کالوگوں نے ''نعروں'' کی بوچھار سے زوردار استقبال کیا'' (دینک جاگرن 14 فروری 2011 بروز پیر)

سمیلن میں جوتقریریں ہوئیں،اُن سے متعلق اخبارات کی اپنی رپورٹیں یہ ہیں:

(1)''پنڈت انل شاستری نے اپنے بھاشن میں رام چرت مانس کی چوپائی کوسنایا''

(2)''گرومیت سنگھ نے گروگرنتھ صاحب کی وانڑی کا ارتھ اپنے سندر شبدوں میں وشال جن سموہ کے سامنے ویکت کیا۔اُنہوں نے اپنے وچار ویکت کرتے ہوئے کہا کہ''سبھی دھرم ایک

ہی بات سکھاتے ہیں''۔

(3)''منچ پرآسین اے ایم ڈی تھامس نے بائبل کے ذریعے لوگوں کوشانتی کا پیغام دیا اور''پربھوعیسی مسیح'' کے جیون پر پرکاش ڈالتے ہوئے کہا کہ عیسائی دھرم پریم و بھائی چارے کے شانتی وامن کا سندیش دیتا ہے۔قومی ایکتا (متحدہ قومیت) کی مثال رہے اِس کاریہ کرم میں ...... پریم و بھائی چارے کا سندیش دیا''۔(شاہ ٹائمس،بریلی 14 فروری 2011)

مولانا یٰسین اختر مصباحی بتائیں کہ بدایوں شانتی سمیلن میں توآپ بنفسِ نفیس مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے،جس کے امتیازات یہ تھے کہ وہ:

قومی ایکتا (متحدہ قومیت بمعنی ہندوہندوقومیت برتقدیرمصباحی) کی مثال رہا۔جس میں نعت اوراشلوگ ساتھ ساتھ گونجے۔جس میں عیسیٰ مسیح کو''بربھو'' کہا گیا۔جس میں سبھی دھرموں کوایک ہی بات سکھانے والا کہا گیا۔جس میں سوامی اگنی ویش کی باتوں کا''نعروں کی بوچھار'' سے استقبال کیا گیا۔جس میں مختلف دھرموں کی روایات کا فرق مٹانے اورگڈمڈ کرنے کی مشترکہ کوشش سبھی کو بھاگئی،وغیرہ۔

مزید یہ کہ وگیان بھون کے پروگرام کے مقابلے بدایوں کے شانتی سمیلن میں جو غیرشرعی کلمات پڑھے گئے،غیرشرعی ارتکابات کیے گئے وہ وگیان بھون پروگرام کی طرح کسی عامی غیرمسلم سامع نے بھیڑ کے درمیان سے ادانہیں کیے جسے کسی حد تک نظرانداز بھی کیا جاسکتا ہے،بلکہ خاص مدعومہمانوں نے ادا کیے اور باضابطہ اسٹیج سے ادا کیے۔نیز وگیان بھون کے ایک عامی ہندو کے مقابلے مخصوص ہندو دھرم گرو نے زیادہ مذہبی جذبے سے ادا کیے۔

ایسے سموچے سمیلن پرآپ نے خاموشی کیوں برتی؟اورکیوں آج تک برتتے ہوئے ہیں اور مون برت رکھے ہوئے ہیں؟ بلکہ سمیلن میں بحیثیتِ مہمانِ خصوصی،شریک رہ کرعملاً مذکورہ تمام ارتکابات کی تائید وتوثیق کی،کیوں؟ کیا اُس وقت آپ کے منہ میں مصلحت یا منافقت کا پتھر دیا ہوا تھا؟ یا اُس وقت تک آپ شریعتِ محمدیہ سے ہٹ کرکسی دوسری شریعت پرعمل پیرا تھے؟ یا اُس وقت تک مذکورہ چیزوں کے غیرشرعی اورغلط ہونے پرآپ کا شرحِ صدر ہونے سے رہ گیا تھا؟ یاوگیان بھون پروگرام کے برخلاف،شانتی سمیلن کی چیزوں کے لیے بروقت توجیہ دماغ میں آگئی تھی؟ یاسوکی ایک بات کہ بدایوں

پروگرام میں آپ کی جسدی ودماغی شرکت، مذکورہ سارے غیر شرعی ارتکابات کو جواز فراہم کررہی تھی؟

دورنگی چھوڑ دے اک رنگ ہوجا!

(3) یہ نعرہ شرعاً جائز نہیں؟

جواباً عرض ہے کہ ''بھارت ماتا'' کے دو مفہوم ہیں، ایک نہایت عام و متداول مفہوم یعنی بھارت- ماں یا مادرِ وطن، جو کہ شرعاً درست و جائز ہے۔ جب کہ دوسرا مفہوم بایں طور قدرے شرکیہ جذبات لیے ہوئے ہے کہ کچھ ہندوؤں نے مادرِ وطن ہندوستان کو بہت عظیم تصور کرکے اُس کے نام سے عقیدتاً باضابطہ ایک مجسمہ تراش لیا جسے مندر میں رکھ کر وہ لوگ اُس کی پرستش بھی کرنے لگے۔ تاکہ وہ اپنے مذہبی جواز ومزاج کے مطابق حب الوطنی کا زیادہ سے زیادہ اظہار کرسکیں۔ ایسا کرنا ہندو سماج کے خمیر میں شامل ہے کیوں کہ یہ لوگ جس فردِ بشر، حیوان، قدرتی مظاہر وغیرہ کو زیادہ عظیم و باعظمت سمجھتے ہیں، اکثر اُس کی مورتی بنا کر اُس کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ''بھارت ماتا'' ذو معنی ہے، ایک معنیٰ ''مادرِ وطن'' ہے جس کی طرف ذہن ننانوے فی صد منتقل ہوتا ہے، اور دوسرا ''مورتی موسوم'' جس کی طرف نہ کے برابر ہی ذہن جاتا ہے۔ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں جوکہ حقیقت ہے کہ معنیِ مراد تو ایک ہی ہے یعنی ''مادرِ وطن''۔ فرق یہ ہے کہ ہندو دھرم کے کچھ لوگوں نے مادرِ وطن سے اظہارِ عقیدت کے لیے اُس کے نام سے اپنے طور پر ایک فرضی مونث مورتی تشکیل دے ڈالی ہے تاکہ وہ اپنے مذہبی جواز اور رسم ومزاج کے مطابق، زیادہ باضابطگی اور ارتکازِ ذہن کے ساتھ مادرِ وطن کی پوجا کرسکیں۔ غرض کہ وطنِ ہند کے تئیں اظہارِ عقیدت کے لیے سہولتاً فرضی تجسیم کرلی گئی ہے، ورنہ حقیقتاً پوجا وطنِ ہند ہی کی، کی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ''بھارت ماتا کی جئے'' نہ لغوی اعتبار سے کلمۂ کفر وشرک ہے، نہ قابلِ لحاظ حد تک معنیِ مراد کے اعتبار سے۔ سوائے ایک فی صد ضمنی معنوی آمیزشِ غیر معتبرہ کے۔ مسلمان اگر حب الوطنی کے اظہار کے لیے خاص اِس نعرے سے کتراتے ہیں تو وہ اُس ایک فی صد قابلِ اعتراض معنی کے شبہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں جو اچھی بات ہے۔ جب کہ دوسری وجہِ احتراز یہ ہے کہ یہ نعرہ، ہندو زبان و

وثقافت سے ہم آہنگ ہے۔

مگر اِسم کے باوجود کسی مسلمان نے یہ نعرہ لگادیا، یا مسلمانوں کے درمیان کسی غیر مسلم نے (سازشی ذہن سے) لگادیا اور کسی حکمت و مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر بروقت اُس کی تردید نہ کی جاسکی، تو یہ اتنا بڑا جرم نہیں کہ اُس کو لے کر غیر ضروری پروپیگنڈہ کیا جائے اور سخت تر احتجاج کرکے آسمان سر پر اٹھالیا جائے اور اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر مومنین بلکہ خاص علما و مشائخ کے تعلق سے سوءِ ظن کیا جائے۔

اِس طرح تو ترانۂ اقبال بھی ظاہراً غلط

بیک وقت دو صحیح و غلط مفہوموں کی متحمل مثال علامہ اقبال کا یہ مشہور مصرع: ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' بھی ہے جسے ہم بڑے شوق سے پڑھتے ہیں، جس کا ظاہری مطلب غلط ہے کہ ہمارے لیے ہندوستان، مکہ و مدینہ سے بھی اچھا ہے (نعوذ باللہ!)۔ جب کہ بحیثیتِ مسلم ہمارے لیے ایسا کہنا جائز نہیں۔ اِس کو ہم تاویلاً جائز کرلیتے ہیں کہ مومن اِس کا وہ معنی مراد نہیں لیتا۔ اُس کا ایمان اُس پر قرینہ ہے۔ البتہ ہندو دھرم کے لوگ اس کو گنگناتے وقت اس کا وہی معنیِ ظاہر مراد لیتے ہیں جو غلط ہے یعنی وہ ہندوستان کو مکہ اور مدینہ سے بھی افضل تصور کرتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک جائز نہیں۔

مذکورہ دونوں مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' سن کر ہر خاص وعام بشمول مسلم وغیر مسلم ذہن، جتنی تیز اور کلیر کٹ اُس کے ظاہری غلط معنی کی طرف منتقل ہوتا ہے، اُس کا بمشکل ایک فی صد ہی ذہن کا تبادر ''بھارت ماتا کی جئے'' سن کر اُس کے شرکیہ معنی کی طرف جا پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بغیر کسی تکلف، اولین مرحلے میں متصور ہونے والا نعرۂ اول کا جتنا ظاہر معنی غلط ہے، بغیر کسی تکلف، اولین مرحلے میں متصور ہونے والا نعرۂ ثانی کا ظاہر معنی اُتنا ہی صحیح ہے۔

ایسے میں سوال یہ بھی ہے کہ بلاضرورتِ شرعی، ظاہراً ایک صریح غلط اور غیر شرعی مصرع یعنی ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' گنگنانا، ایک مسلمان کے لیے کیوں کر درست ہو

سکتا ہے؟ جب حالتِ اضطراری نہیں ہے تو کیا حبِ وطن کے اظہار کے لیے مصرعِ مذکور سے ہٹ کر دیگر ذرائع یا اشعار اور مصرعے مارے گئے ہیں؟ آج تک کیوں اس مصرع کے خلاف حکم جاری نہیں کیا گیا؟ جب کہ یہ مصرع، عام ہندوستانی مسلمانوں ہی کی زبان پر رواں نہیں، بلکہ بریلویوں کے مدرسوں تک میں بصد شوق پڑھا جاتا ہے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے کہا ہے کہ بھارت ماتا کے معنی ومفہوم میں شرکیہ خیالات لپٹے ہوئے ہیں جو کروڑوں ہندوؤں کے درمیان عام ہے۔ اِس پر اولاً عرض ہے کہ پہلے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' پر ناجائز ہونے کا فتوی جاری کیجیے، کہ وہ مسلمانوں میں نہ جانے کب سے رائج ہے۔

ثانیاً اگر یہ تعداد درست ہے، تب بھی ہندوستان میں کروڑوں لوگ ہوتے ہی کتنے ہیں، خالص ہندو مراد لیں تب بھی مجموعی ہندو آبادی ایک ارب کا صرف ایک فی صد ہے۔ جب کہ ننانوے فی صد ہندو اور باقی جو بھی دیگر اہلِ مذاہب یہ نعرہ لگاتے ہیں، وہ اِس کا بے حد واضح اور معلوم ومشہور لغوی معنی '' بھارت- ماں، یا مادرِ وطن ہی سمجھتے اور مراد لیتے ہیں اور بھارت ماتا کی جئے سے مادرِ وطن یا ہندوستان زندہ باد مراد لے کر نعرہ لگاتے اور حب الوطنی کا اظہار کرتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو دارالقلم سے نکل کر اس کا سروے کیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ مجموعی طور پر ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ہمارا ملک وہ ہے جہاں دو چار، پانچ دس چیزوں کی نہیں، کروڑوں چیزوں کی پرستش کی جاتی ہے، چرند پرند، شجر حجر، ہوا پانی، چاند سورج، دریا پہاڑ، سانپ بچھو، گائے بیل وغیرہ سبھی کچھ یہاں پوجا جاتا ہے۔ مندر بھی نہ جانے کتنی چیزوں کے دستیاب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں 33 کروڑ باطل معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے۔ یہ تعداد مستقل معبودوں کی ہے۔

غیر مستقل طور پر ہندوؤں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ عموماً ڈاکٹروں کو بھی بھگوان کہتے ہیں، مشہور کرکٹ کھلاڑی سچن تیندولکر نے نہ جانے کتنی بار وضاحت کی ہے کہ میں بھگوان نہیں ہوں، مگر ہندو عقیدت مند اُنھیں برابر بھگوان کہتے رہتے ہیں۔ یہی سلوک ملک کی دیگر بہت سی بڑی سیاسی وسماجی شخصیات سے متعلق برتا جاتا ہے۔ ایسے میں شاید کچھ چیزیں بچتی ہوں جن کی یہاں پرستش نہ کی جاتی

ہو۔ آپ کسی چیز کا نعرہ لگائیے، ملک کے کسی نہ کسی کونے میں اس کی پرستش کرنے والے مل ہی جائیں گے۔ کاش کہ اس سچائی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے!

منفی ذہنیت کی فتنہ جوئی

دراصل مولانا یٰسین اختر مصباحی مجموعی طور پر متعصب وشر پسند ذہنیت رکھتے ہیں، بس یہ کہ اللہ جب تک جس کو محفوظ رکھے۔ اِسی طرح کا معاملہ یہاں ہے۔ موصوف نے جو بکھیڑا کیا ہے، اُنھیں یہ معلوم ہونے پر کہ مسلمانوں نے یہ نعرہ نہیں لگایا، بعض غیر مسلموں نے لگایا، اِس کے ساتھ صدرِ بورڈ مولانا سید محمد اشرف میاں نے میڈیا کے سامنے ایک سوال کے جواب میں یہ صاف کر دیا کہ ہمارے اسلام کا اصول ہے: لا اکراہ فی الدین اور لکم دینکم ولی دین اور یہ کہ نہ ہم نے یہ نعرہ لگایا۔ نہ ہم اِس کی تائید کرتے ہیں۔ اور جو کچھ میڈیا میں چل رہا ہے وہ سیاست ہے، سیاست ہے، سیاست ہے۔

اِس پر خلوصِ نیت کا تقاضا تھا کہ اتنے پر بس کرتے۔ مزید توضیح اور شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے وقتِ مناسب دیکھ کر مفادِ عام پیشِ نظر رکھتے ہوئے کچھ عام سی تحریر لکھنا اور بروقت اخبارات وغیرہ میں چھپوانا چاہتے تھے، تو یہ بھی صحیح قدم تھا، تحریر کا خیر مقدم تھا۔ مگر موصوف نے براہِ راست بورڈ کے حوالے سے سخت بدگمانی کی اور منفی الدماغ شخص کی طرح ذمہ دارانِ بورڈ جو بزرگ علما ومشائخ ہیں، اُن کی نیک نیتوں پر شک کیا۔

مولانا کی منفی الدماغی اور شر پسندی کی ایک واضح مثال دیکھیں۔ جس دن وگیان بھون کا پروگرام ہوا، اُس کی شام، یا شاید دوسرے ہی دن مصباحی صاحب کو اُن کے استفسار پر کئی چشم دید گواہ علما نے براہِ راست موصوف کو یہ بتایا کہ پروگرام میں موجود درجنوں غیر مسلم اخباری رپورٹروں اور سیکورٹی اہل کاروں وغیرہ میں سے کسی نے یہ نعرہ لگایا تھا، کسی مسلمان نے نہیں لگایا اور بالکل اچانک ایسا ہوا، اُنھوں نے مصباحی صاحب سے یہ بھی کہا کہ آپ جس سے چاہیں، اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

ایسے میں ایک محتاط اور مخلص عالمِ دین کی ذمے داری بنتی تھی کہ کچھ بھی لکھنے اور مشتہر کرنے سے پہلے معاملے کی صحیح چھان بین کر لی جاتی اور سچ سامنے آنے کے بعد پہلے ایمان دارانہ طریقے سے کھلے

لفظوں میں یہ صراحت کی جاتی کہ تحقیق یہ ہے کہ وگیان بھون میں بھارت ماتا کی جئے کا نعرہ کسی مسلمان نے نہیں لگایا، نہ اس حد تک پروگرام میں موجود علما و مشائخ، یا اراکینِ بورڈ وغیرہ ذمے دار ہیں۔ مصباحی صاحب اس صرحت کے بعد اپنی بات رکھتے کہ چوں کہ نعرے کی بروقت تردید نہیں کی گئی جو غلط ہوا۔

مگر افسوس کہ موصوف نے نہایت ابہام بھرا، مشکوک اور شر پسندانہ طرز اختیار کیا تا کہ جھوٹ بھی نہ ہو اور عام ذہن بھی وہی سمجھے جسے موصوف سمجھانا چاہتے ہیں۔ مصباحی صاحب کا ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' کی پالیسی پر مشتمل دیدہ و دانستہ اختیار کیا گیا شر پسندانہ اسلوب ملاحظہ فرمائیں:

''صوفی سیمینار (بلکہ چار روزہ صوفی فورم کا پہلا دن جو فورم کے افتتاحی پروگرام پر مشتمل تھا) (۱۷ مارچ، بمقام وگیان بھون، نئی دہلی) میں استقبالِ شری نریندر مودی کے وقت تقریباً دو درجن مدعو سامعین وحاضرینِ سیمینار نے بھارت ماتا کی جئے کا نعرہ لگایا''۔

سوال یہ ہے کہ اگر موصوف، کامل سچائی سامنے لانے کے جذبے سے ''دو درجن مدعو سامعین وحاضرینِ سیمینار'' کی تعبیر میں ''غیر مسلم'' کے لفظ کا اضافہ کر لیتے تو کیا قباحت تھی؟ صحیح تعبیر کا ایک فائدہ یہ ہوتا کہ واقعہ کی بے کم وکاست حکایت بھی ہو جاتی، اِس کے علاوہ اہل سنت کے ایک ذمے دار بورڈ اور پروگرام میں موجود ملکی و عالمی سطح کے سیکڑوں علما و مشائخ سے متعلق کسی بھی شخص کی بدگمانی جائز حد میں رہتی۔ اس کے بعد الزام صرف یہ رہتا کہ نعرے کی بروقت تردید کی جانی چاہیے تھی جو نہیں کی گئی۔ الزام ہلکا ہو جاتا۔ مگر ''منفی سوچ'' نے ایسا نہیں کرنے دیا، کیوں کہ اِس سے موصوف کے ''منفی مقصود'' پر ضرب پڑتی تھی۔

متحدہ قومیت کے لفظ پر واویلا

آر ایس ایس کا نظریہ ہندو قومیت ہے

مولانا لیٰسین اختر مصباحی نے متحدہ قومیت کے لفظ پر بلا وجہ واویلا مچایا ہے۔ متحدہ قومیت کے لفظ پر جس طاقت سے اعتراض کیا ہے، افسوس کہ اُس کے پاسنگ طاقت سے بھی اُس کا اصطلاحی معنی و

مراد صرف ''ہندو قوم'' یا ''ہندو راشٹر'' ثابت کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ بار بار کی متعلقہ تحریروں میں سوائے دعوائے خود کے، ثبوت کے نام پر کچھ نہیں۔

ہم نے موصوف کے مجموعۂ مضامین ''نقوشِ فکر'' میں بھی یہ دیکھنے کے لیے سرسری نظر ڈالی کہ جب ''متحدہ قومیت'' آر ایس ایس کا مشہور نظریہ ہے، تو جس طرح اپنی مجلّاتی صحافت کے دوران مولانا لیٰسین اختر مصباحی آر ایس ایس کے مشہور نظریے ''ہندو راشٹر'' کی بار بار تردید کرتے رہے ہیں، اسی طرح ماضی میں کبھی ''متحدہ قومیت'' کا بھی کوئی ذکر، کوئی رد کیا گیا ہوگا، کسی طور اِس کا کوئی ذکر آیا ہوگا۔ لیکن بھارت ماتا، وندے ماترم، سروتی وندنا، ہندوتوا، ہندو راشٹر وغیرہ کی طرح ''متحدہ قومیت'' کے کلمہ کا مثبت یا منفی کہیں ذکر نہیں ملا۔

دراصل مسئلہ ''ہندو راشٹر'' کا ہے۔ آر ایس ایس کا نظریہ، متحدہ قومیت کا نہیں بلکہ یک قومیت بمعنی ہندو قومیت کا ہے جس کے تحت وہ ہندوستان میں ہندو راشٹر چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ملک میں صرف ایک ہندو قوم یا ہندو قومیت ہو جو پوری طرح ''ایک نسل، ایک دھرم، ایک تہذیب، ایک زبان پر مشتمل ہو''۔ دوسرے اہلِ مذاہب ہندوستان میں دوسرے درجے کے شہری ہوں، سیاست وحکومت میں اُن کا عمل دخل نہ ہو، اُنہیں ووٹ دینے کا حق نہ ہو وغیرہ، یا پھر وہ ملک سے نکل جائیں۔

متحدہ قومیت بمعنی سیکولرازم

قومیت کی وحدت وتقسیم کا مسئلہ ہندوستان کی آزادی کے وقت کا ہے۔ مسلم لیگ دو قومی نظریہ (two nation theory) اپنائے ہوئے تھی، وہ کہتی تھی کہ مسلمان اور ہندو، دو الگ الگ قومیں ہیں جن کا آپس میں مل جل کر رہنا ناممکن ہے، لہٰذا قومیت (مذہبی قومیت) کی بنیاد پر انگریزوں سے آزادی کے ساتھ ہی ملک کو دو نئے حصوں میں بانٹ دیا جائے اور مسلمانوں کو اپنا الگ ایک ملک بنانے کی اجازت دی جائے جس کا نام پاکستان ہوگا۔

جب کہ ایک قومی نظریہ (one nation theory) کانگریس اپنائے ہوئے تھی۔ کانگریس کی منشا یہ تھی کہ ملک کو ہندو مسلم قومیت کی بنیاد پر تقسیم نہ کیا جائے، بلکہ سب یہیں مل جل کر

رہیں۔ ہندوستان ایک غیر مذہبی اور سیکولر ریاست بنے جس میں ہر شخص کو اپنے مذہب اور زبان وتہذیب کے تشخص کے ساتھ رہنے کی آزادی ہو۔

کانگریس کے بایں معنی ایک قومی نظریے کی اصطلاح پر لوگوں نے تنقید بھی کی ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ کانگریس کے نزدیک اگر ایک قومی نظریے کا یہ مطلب ہے کہ ہندوستان سیکولر اسٹیٹ بنے اور وہاں تمام اہلِ مذاہب اپنے اپنے تشخصات کے ساتھ رہیں، تو اُس کا یہ ایک قومی نظریہ یا یک قومیت دراصل متحدہ قومیت کا نظریہ (united/composite nationalism theory) ہے۔

ایک قومی نظریہ دراصل مسلم لیگ کا ہے جس کی بنیاد پر وہ الگ ایک اسلامک اسٹیٹ تشکیل دینا چاہتی تھی۔ اُسے وہ دوقومی نظریہ صرف اِس وجہ سے کہتی تھی کہ الگ الگ ہندو مسلم قومیت کی بنیاد پر پہلے اُسے ملک کو دو نئے ملکوں میں تقسیم کرانا تھا۔

ہم نے یہ تفصیل دی، اِس میں کہیں بھی متحدہ قومیت سے ایک ایسی قومیت جو ''ایک نسل، ایک دھرم، ایک تہذیب، ایک زبان پر مشتمل ہو' مراد نہیں لی گئی ہے۔ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ایک نسل، ایک دھرم، ایک تہذیب، ایک زبان؛ یہ جو عناصرِ قومیت ہیں، یہ متحدہ قومیت کے نہیں، ایک قومیت کے ہیں اور یہ ایک قومی نظریے کے تحت آتے ہیں، اب چاہے وہ مسلم قومیت ہو، چاہے ہندو قومیت / ہندو راشٹریتا۔ مثلاً محض ایک مسلم قوم، یا محض ایک ہندو قوم۔ دراصل ہندوستانی پس منظر میں یہ تین مستقل اصطلاحات ہیں۔ (1) ایک قومی نظریہ (2) دوقومی نظریہ (3) متحدہ قومی نظریہ۔

متحدہ قومیت مثل 'اقوامِ متحدہ'

یہ تیسرا نظریہ یعنی متحدہ قومیت (united/composite nationalism) یا متحدہ قومی نظریہ (united nationalism theory) ایسے ہی ہے جیسے تنظیم اقوامِ متحدہ (united nations organiazation) ہے۔ اقوامِ متحدہ عالمی سیاسی ادارہ ہے جو پوری طرح غیر مذہبی یعنی سیکولر ہے اور مذکورہ تفصیل کی رو سے متحدہ قومیت یا متحدہ قومی نظریہ پر مشتمل ہے، جس کے تحت ہر

قوم، ہر مذہب، ہر تہذیب، ہر نسل، ہر رنگ، ہر خطہ برابر سطح پر سماتا ہے اور کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔

رہا کانگریس کا متحدہ قومیت یا متحدہ قومی نظریے کو ایک قومی نظریہ کہنا تو وہ بایں معنی تھا کہ سامنے تقسیمِ ہند کی بات کی جارہی تھی جو کانگریس کو منظور نہیں تھی۔ وہ صرف ایک قومیت بمعنی ہندوستانی قوم (غیر پاکستانی) چاہتی تھی جو تقسیمِ ہند پر مشتمل دوقومی نظریے کے مقابلے تو ایک قومی نظریہ تھا، مگر حقیقی ومعنوی لحاظ سے متحدہ قومیت یا متحدہ قومی نظریہ تھا جس میں ہندو مسلم سکھ عیسائی سب دستوری سطح پر مساویانہ سما سکیں۔

کانگریس کے اِسی متحدہ قومیت کے نظریے کی تائید وحمایت میں دیوبندی مکتبِ فکر کے مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی مشہور کتاب ''متحدہ قومیت اور اسلام'' لکھی جو انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔ جس میں قرآن وسنت سے اِس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ متحدہ قومیت جس کے تحت مذہبی اقلیتوں کو مکمل مذہبی وتہذیبی آزادی دی جاتی ہے، غلط نہیں۔ جیسا کہ مسلم لیگ پروپیگنڈہ کررہی ہے۔ بلکہ بایں شکل متحدہ قومیت، عملِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ''میثاقِ مدینہ'' سے ثابت وماخوذ ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر مسلم زعما کسی بھی صورت متحدہ قومیت بمعنی ہندو راشٹریتا کی تائید وحمایت نہیں کرتے تھے۔

دستورِ ہند کی روح میں متحدہ قومیت

نظریۂ متحدہ قومیت پر مشتمل ہندوستان قائم وموجود ہے جس کی نہ صرف ہم تائید وحمایت کرتے ہیں بلکہ تعریف وتحسین بھی کرتے ہیں اور ایک ہندوستانی شہری کی حیثیت سے اُس کا لطف اُٹھاتے ہیں۔

اِس معنی میں اِسی نظریۂ متحدہ قومیت کی تائید وحمایت علما ومشائخ بورڈ کے اعلامیہ میں کی گئی ہے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اعتراض کیا ہے کہ متحدہ قومیت آر ایس ایس کا مشہور نظریہ ہے جو صریح غلط ہے، آر ایس ایس کا نظریہ متحدہ قومیت نہیں، بلکہ ہندو قومیت یا ہندو ریاست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود موصوف نے بھی اپنی تیس سالہ صحافتی زندگی میں آر ایس ایس کے اس نظریہ کا اسی لفظ یعنی ہندو قومیت یا ہندو راشٹر کے ذکر کے ساتھ رد کیا ہے اور ایک نہیں، مختلف وقتوں میں اور کئی

ایک مضامین میں رد کیا ہے۔ جب کہ کسی بھی تحریر میں متحدہ قومیت کے نام سے رد نہیں کیا گیا ہے۔
اور اگر بالفرض و بر سبیلِ تنزل، آر ایس ایس کے کسی شخص نے اپنے ہندوتوا، یک قومیت، ہندو راشٹر کے نظریے کو نادراً کبھی کسی جگہ متحدہ قومیت کے نام سے ذکر کیا ہو۔ تو بھی ہمیں یقین ہے کہ ضرور اُس کا ذکر اُس سے مطلوب معنیِ خاص کی واجب وضاحت کے ساتھ کیا ہوگا۔

'راشٹریہ دھارا' سے مثال

قارئین مسئلے کی مزید وضاحت لفظ 'راشٹریہ دھارا' کی مثال سے سمجھیں۔ سخت گیر ہندو ''راشٹریہ دھارا'' سے بجائے معنیِ دستوری، مقبولِ مسلم، بسا اوقات نجی وگروہی مطلب اخذ کرتے ہیں جس کا ذکر خود مصباحی صاحب کی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔

راشٹریہ دھارا کا ایک دستوری معنی وہ ہے جسے ہر مذہب اور ہر دھرم کا ماننے والا قبول کرتا ہے۔ جب کہ ایک معنی وہ ہوسکتا ہے جسے کبھی بھاجپا اور آر ایس ایس والے اپنی منشا کے لیے مراد لیتے ہیں۔ جس کا رد مولانا یٰسین اختر مصباحی نے بھی کیا ہے۔ بھاجپا کی طرف سے مسلمانوں کو راشٹریہ (قومی) دھارا میں شامل ہونے کے بار بار کے مطالبے پر گفتگو کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سوال یہ ہے کہ ''قومی دھارا'' سے مراد کیا چیز ہے، ہندو دھارا ہے، تو اُس دھارا میں بہنے کے لیے کوئی مسلمان کیوں کر تیار ہوسکتا ہے اور مسلمانوں سے ایسا مطالبہ کرنے کا کون سا آئینی و دستوری جواز کسی کو بھی حاصل ہے۔ اور اگر قومی دھارا سے مراد ملکی فلاح و بہبود کا جذبہ رکھنا اور اُس کا وقار بلند کرنا ہے تو مسلمان اس میدان میں کس سے پیچھے ہیں''۔

(نقوشِ فکر از مولانا یٰسین اختر مصباحی، ص 361، اسلامک پبلشر، مٹیا محل، دہلی 2004ء)

ہمیں یہاں الجھن یہ ہے کہ اگر بالفرض و بر سبیلِ تنزل، متحدہ قومیت سے کسی نے ہندو قومیت مراد لیا بھی ہے، تو مولانا یٰسین اختر مصباحی نے جس طرح ''قومی دھارا'' کے دو مطالب بیان کر کے انصاف کے ساتھ معاملہ صاف کیا ہے، اس طرح متحدہ قومیت پر انصاف

نہیں کر سکے۔ انصاف یہ ہوتا کہ علما و مشائخ بورڈ کے اعلامیہ میں مذکور متحدہ قومیت کو ''جمہوریت'' یا ''سیکولرازم'' کے معنی میں لے کر بر عام جارحانہ بلکہ معاندانہ اعتراض جتانے سے باز رہتے۔

ہم مصباحی صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ:

اولاً ''قومی دھارا'' اور ''متحدہ قومیت'' دونوں کا باضابطہ سیاسی وحکومتی سطح پر مراد لیا جانے والا معنی و مفہوم واضح کریں۔

ثانیاً یہ بتائیں کہ کیا اِن دونوں اصطلاحات کا صرف ایک معنی و مفہوم متعین ہے، یا دونوں کا، یا دونوں میں سے کسی کا کوئی الگ مفہوم بھی ہے جسے کچھ لوگ (مثلاً بھاجپا، سنگھ پریوار وغیرہ) اپنے نزدیک معتبر سمجھتے ہیں۔

ثالثاً اگر ''قومی دھارا'' کے دو مفہوم ہیں........ تو وہ کون سا مفہوم ہے جسے آپ نے قبول کیا؟

رابعاً اگر ''متحدہ قومیت'' کے بھی دو معنی و مفہوم ہیں..... تو وہ کون سا مفہوم ہے جسے علما و مشائخ بورڈ نے فراموش کیا اور اُس کی جگہ جو مراد لیا، قبول کیا؟ نیز جس کی تقسیمِ ہند کے وقت، تائید وتوثیق مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور علمائے دیوبند کر رہے تھے؟ بلکہ جس کی پُر زور تائید آج بھی تحریراً وتقریراً جمعیۃ علمائے ہند وعلمائے دیوبند کرتے ہیں؟

قومیتِ دین- قومیتِ وطن

قارئین کے علم میں رہے کہ مسئلۂ قومیت پر بحث کے دوران جلد ہی یہ مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا کہ قوم، وطن سے بنتی ہے، یا مذہب سے، جس پر بڑی بحثیں ہوئیں، لیکن دو لفظوں میں حل یہ ہے کہ اعتبارات کا فرق ہے، اگر صد فی صد مسلم ملک ہے تو وہاں کسی بھی سطح پر الگ الگ قومیت کے ٹکراؤ کا مسئلہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی ملک، مختلف مذہبوں اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے تو وہاں ایک قومیت، وطن و ملک کے اعتبار سے اور ایک قومیت، دین و مذہب کے لحاظ سے ہوسکتی ہے۔

بلکہ آج صد فی صد مسلم آبادی رکھنے والے ممالک اپنے شہریوں کے لیے الگ قومیت وضع کرتے ہیں کہ کوئی عراقی ہے، کوئی سعودی اور کوئی پاکستانی۔ جب کہ مذہب کا خانہ الگ سے دیا جاتا ہے، بلکہ بہت سے مقامات پر مسلک کا بھی۔

صد فی صد مسلم ممالک ایک مذہب رکھنے کے باوجود ملک، جغرافیہ، طرزِ حکومت، سیاست، انتظامی امور، سفارت، کرنسی، دفاع جیسے بے شمار اُمور میں تفریقات رکھتے ہیں، تو جن چیزوں میں الگ ملک ہونے کی وجہ سے مسلمان اپنے مسلم بھائیوں سے غیر مشترک اور جداگانہ اختصاصات رکھتے ہیں اور کسی بھی مسلم ملک کے علما اُن امتیازات کو غلط نہیں کہتے، بلکہ اُنھیں تسلیم کرتے ہیں۔ بس اُنھیں چیزوں میں ایک ملک ہونے کے باعث ہم مسلمانانِ ہند، اپنے دیگر برادرانِ وطن سے اشتراک واتحاد رکھتے ہیں۔

ایک بحث، یہ بھی چھیڑی جاتی ہے کہ خود ''قومیت'' سے کیا مراد ہے، لیکن بہرحال یہ صاف ہے کہ باعتبارِ ملک وسیاست، مشمولات سب کے ایک ہیں جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ جس کے بعد صرف تعبیر کا فرق رہ جاتا ہے اور اصطلاح میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایسے میں عملی طور پر بھی مسئلہ حل ہے، چہ جائے نظریاتی۔

ہندوستان کی بات کی جائے تو یہ سیکولر اسٹیٹ ہے، یعنی نہ یہ کسی کے مذہب میں دل چسپی لیتا ہے، نہ دخل دیتا ہے۔ مذہب کے معاملے میں، صاحبِ مذہب کو مکمل آزادی دیتا ہے بلکہ اُسے ہر شہری کا، ناقابلِ تبدیل، بنیادی حق تسلیم کر کے خود ہی اُس کے تحفظ کا دستوری ضامن ٹھہرتا ہے۔

دراصل آزادی کے وقت جب بعض واقعات کے پیشِ نظر ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بے اعتمادی بڑھی، تو ہر دو طبقے کے مفکرین یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ملک میں انگریزوں سے آزادی کے بعد، خود ہندو اور مسلمان بھی آپسی اتفاق کے ساتھ سیاسی و وطنی سطح پر مل جل کر رہ سکتے ہیں! جس کے بعد جو خیالات سامنے آئے وہ بنیادی طور پر تین طرح کے نظریات تھے یعنی ہندو قومیت، مسلم قومیت اور متحدہ قومیت۔ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

دیکھا جائے تو فریقین کے درمیان اول اول مسئلہ صرف وحدت وتقسیمِ ہند کا تھا، اِس طرح جھگڑا مقصدی تھا، نہ کہ نظریاتی، مگر حصولِ مقصد کے لیے بات نظریات تک جا پہنچی۔ اگر تقسیمِ ہند رُک جاتی اور تقسیم کی تائید نہیں کی جاتی تو کانگریس اور دیگر موئدینِ متحدہ قومیت کو اِس سے کوئی تعرض نہیں ہوتا کہ کوئی اپنے آپ کو کیا کہتا ہے اور قومیت کے تعلق سے کس طرح کی تھیوری رکھتا ہے۔ بشرطے کہ مذہبی زندگی کی دستوری آزادی کا حظ اُٹھانے کے ساتھ وحدتِ ملک اور دستورِ اساسی کے خلاف کسی طرح کی علمی یا نظریاتی بغاوت نہیں کی جاتی۔

یہاں ایک ضروری نکتے کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ متحدہ قومیت جس کی بنیاد نہ ہندو قومیت پر تھی، نہ مسلم قومیت پر، بلکہ ہندوستانی قومیت پر تھی اور جس کی وکالت کانگریس اور اُس کے ساتھ مسلم نام ورلوگوں میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد حسین احمد مدنی نیز بیش تر علماے دیوبند کر رہے تھے، اُس سے اتفاق وعدمِ اتفاق سے قطعِ نظر، اُس کے فہم میں بھی معترضین نے سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا جو ایک طرح کا ظلم ہے۔

تقسیمِ ہند کے دنوں متحدہ قومیت کی تائید ومخالفت، مسلم علما وزعما کے درمیان ایک اجتہادی مسئلہ ضرور بن گیا تھا مگر یہ سچ ہے کہ مویدین اپنی نیتوں میں قطعاً کسی طرح کے دینی مفادات سے سمجھوتہ نہیں کرتے تھے، نہ دین کی کسی اصل سے، نہ کسی فرع سے۔

مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب: ''متحدہ قومیت اور اسلام'' کے اندر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے متحدہ قومیت کو دین وشریعت اور اُس کے تقاضوں سے غیر متصادم بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہجِ سیاسی ''میثاقِ مدینہ'' کے نظیر ومماثل کے طور پر ثابت ومستدل کیا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر نے ایک موقع پر کہا تھا کہ وہ مذہبی نقطۂ نظر سے اول وآخر صرف اور صرف مسلمان ہیں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، جب کہ وطنی لحاظ سے اِسی طرح اول وآخر صرف اور صرف ہندوستانی ہیں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ مولانا کے اس قول سے متحدہ قومیت کا نظریہ کشید کیا جاسکتا ہے۔

جب کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے تفصیل سے صراحت کی ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ مسلمان ہیں اور اسلام کی تیرہ سو برس کی شان دار روایتیں جو اُن

ورثے میں آئی ہیں، وہ تیار نہیں کہ اُس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دیں نیز اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب اُن کی دولت کا سرمایہ ہے اور اُن کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں، بحثیت مسلمان ہونے کے وہ مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتے ہیں اور وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اس میں کوئی مداخلت کرے وغیرہ۔

مولانا آزاد نے اِس دوٹوک صراحت ووضاحت کے بعد ہی متحدہ قومیت کے نظریے کی تائید وتوثیق کی ہے اور کہا ہے کہ وہ اِن تمام احساسات کے ساتھ ایک اور احساس بھی رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ فخر محسوس کرتے ہیں کہ وہ ہندوستانی ہیں اور ہندوستان کی نا قابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہیں اور وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اُس میں کوئی مداخلت کرے وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ علما وزعما کی اِن صرحتوں کے بعد معترضین کو یہ تو حق تھا کہ وہ نتائج کی رو سے اپنی بصیرت کے مطابق متحدہ قومیت کو خطرناک ٹھہرانے کی کوشش کرتے کیوں کہ یہ چیز بابصیرت قیاسات اور حاصل تجربات سے مستقبل بینی کی سعی کا ایک حصہ تھی، مگر قائلین ومتکلمین کی منشا بلکہ صراحت کے خلاف یہ ضد پکڑنا اور پروپیگنڈہ کرنا کہ متحدہ قومیت کا معنی ومراد دراصل ''ہندوقومیت'' ہے، صریحاً عدمِ سنجیدگی بلکہ مترادفِ ظلم ہے، مگر افسوس کہ یہ سب کچھ روا رکھا گیا۔ سوءِ اتفاق کہ عرصے بعد ہندوستان میں آج اِس کی کمان مولانا یٰسین اختر مصباحی سنبھالے ہوئے ہیں۔

مولانا سے کوئی پوچھے کہ جب وہ بیرونِ ممالک ہوتے ہیں یا حکومتِ ہند کے مختلف فارموں کو پُر کرتے ہوئے ملک ہی میں موصوف، ''قومیت'' کے خانے میں کیا لکھتے ہیں، مسلم یا ہندوستانی؟

ظاہر ہے ''ہندوستانی'' ہی لکھتے ہوں گے، تو یہ بھی طے کر دیں کہ کون سی ''قومیت'' لکھتے ہیں، کیوں کہ فارم میں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ آیا آپ غیر ملکی ہیں اور غیر ملکی قومیت رکھتے ہیں یا ہندوستانی قومیت رکھتے ہیں کہ جس میں بلاتفریقِ دین ومذہب بلکہ بلاامتیازِ دین ولادینیت، سب شریک ومتحد ہوتے ہیں؟

بس مولانا جو جواب دیں گے اور جس مشترکہ ومتحدہ ہندوستانی قومیت کی صراحت کریں گے، سمجھ لیں کہ بعینہٖ اُسی متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق، علما ومشائخ بورڈ نے اپنے اعلامیہ میں کی ہے۔ اُمید ہے مولانا اِس سوال پر دائمی چپی سادھ لیں گے۔

مولانا سے ایک الزامی سوال یہ بھی ہے کہ اگر قائلینِ اصطلاح کی منشا بلکہ صراحت کے خلاف، کسی لفظ وکلمہ کا معنی ومطلوب، از خود متعین کر کے پروپیگنڈہ کیا جاسکتا ہے، تو اِس طرح جن علمائے متحدہ ہندوستان (جماعتِ بریلی کے سینئر جونیئر کی لمبی فہرست کے ساتھ) نے تقسیم ہند سے قبل مسلم لیگ کے دوقومی نظریے کی تائید وتوثیق کی، وہ بھی شرعاً ناجائز وحرام ٹھہری۔

کیوں کہ دوقومی نظریے کے قائل ملک کے بہت سے ہندو بھی تھے جو اُس سے ہندوقومیت یا ہندوراشٹریتا مراد لیتے تھے، بالکل ویسے ہی جیسے مولانا کے دعوے کے مطابق کانگریس اور مولانا آزاد اور مولانا مدنی کی مراد کے برخلاف، بہت سے سخت گیر ہندو ''متحدہ قومیت'' سے ہندوقومیت یا ہندوراشٹریتا مراد لیتے تھے۔

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ آزادی کے وقت جن علمائے کرام نے دوقومی نظریے کی تائید وتوثیق کی، اُنھوں نے بے حد غلط کیا، کیوں کہ اُنھوں نے دوقومی نظریے یعنی ہندوقومیت اور ہندوراشٹریتا کی تائید وتوثیق کی، کہ ملک کے سخت گیر ہندو دوقومی نظریے سے یہی ہندوقومیت وہندوراشٹریتا مراد لیتے تھے۔

اس کے ساتھ مولانا یہ بھی واضح کر دیں کہ جب آپ متحدہ قومیت کے خلاف ہیں، تو موجودہ وقت میں آپ کس نظریے کے قائل وحامل ہیں، آیا مسلم لیگی نظریے/دوقومی نظریے/مسلم قومی نظریے کے کہ جس کے تحت پاکستان وجود میں آیا اور جس کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں پر پاکستان ہجرت کر جانا فرض تھی؟ یا کوئی اور نظریہ ہے؟ ضرور جواب دیں۔

مودی کی شرکت: دودھ کا دھلا کوئی نہیں

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے پروگرام کے افتتاحی اجلاس (وگیان بھون) میں وزیر اعظم مودی کی آمد وشرکت پر بھی اعتراض کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ملک میں مسلمانوں کو اب تک دو بڑے

صدمات پہنچے ہیں، ایک بابری مسجد کی شہادت اور دوسرا گجرات فساد، جس میں ایک کے لیے ازاول تا آخر کانگریس ذمے دار ہے اور دوسرے کے لیے بلاشبہ بھاجپا+ مودی سرکار۔ مجموعی طور پر بھاجپا-آرایس ایس مسلمانوں سے دشمنی نکالنے کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ تو دوسری طرف پچھلے ساٹھ سالوں میں مسلمانوں کو دلتوں کی سی زندگی جینے کی حالت پر لاکر چھوڑنے والی واحد سیاسی پارٹی کانگریس ہے۔

ظلم کے بعد دِکھاوے کی حد تک اظہارِ ہم دردی کرنے میں بھی کوئی کسی سے پیچھے نہیں۔ گجرات فساد کے بعد اُس وقت کے بھاجپائی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی نے افسوس جتاتے ہوئے کہا تھا کہ اب وہ کس منھ سے بیرونِ ممالک کے دوروں پر جائیں گے۔ جب کہ دوسری طرف مسلمانوں کو دلت کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کردینے کے بعد کانگریس نے مسلمانوں کے تئیں خیر خواہی کا ناٹک رچتے ہوئے اُن کی حقیقی حالت سمجھنے کے لیے سچر کمیٹی تشکیل دی۔ اب ان پارٹیوں کی اِن سب حرکتوں سے کیا نتیجہ نکالا جائے، یہی نہ کہ ہر پارٹی پہلے ظلم کرتی ہے، بعد میں ہم دردی جتاتی ہے۔

بلاشبہ سیاسی پارٹیوں کے اپنے سیاسی مفادات سب سے بالاتر ہوتے ہیں، حتی کہ دین دھرم سے بھی بالاتر۔ ہر سیاسی پارٹی کو اپنا ووٹ بینک محفوظ رکھنا ہوتا ہے جس کے لیے وہ سوجتن کرتی ہے۔ بھاجپا صوبائی و مرکزی انتخابات کے موقع پر ہندوؤں سے رام مندر تعمیر کرنے، پاکستان کو تباہ کرنے وغیرہ کے وعدے کرتی ہے۔ مگر ہندوؤں کو برابر شکوہ رہتا ہے کہ وہ اپنے کیے گئے وعدے پورے نہیں کرتی۔ کانگریس اور دیگر سیاسی پارٹیاں بھی انتخابات کے موقع پر مسلمانوں بشمول دیگر اقلیات کو کیا کچھ سبز باغ نہیں دکھاتیں، جن کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔

یہ سیکولر کانگریس ہی تھی جس کی مرکزی وصوبۂ دہلی کی مدتِ اقتدار میں بٹلا ہاؤس انکاؤنٹر پیش آیا۔ مسلمانوں کے ہزار احتجاج کے باوجود کیا ہوا، کچھ نہیں۔ عدالتی انکوائری تک کا نہایت جائز بلکہ مظلومانہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلاشبہ مسلمانوں کی نفسیات پر اِس خوف ناک انکاؤنٹر کے بہت حوصلہ

شکن اور منفی اثرات پڑے۔ بس جس کی نہ کہو، کم ہے۔

چھوٹی چھوٹی پارٹیوں پر آجایئے، ملائم نے اپنی پارٹی کے کئی بڑے سیکولر سیاسی مسلم وغیر مسلم لیڈروں کے احتجاج کو کنارے لگا کر بابری مسجد شہادت کے براہِ راست مجرم کلیان سنگھ کو گلے لگالیا، وہ تو اچھا ہوا کہ فرقہ پرستی کو گلے لگانے سے مستقبل میں بدتر سیاسی نتائج کے نکلنے کے رجحان کا ملائم کو جلد احساس ہوا، اور سیاسی طور پر فیصلہ بدلنا پڑا۔ پھر اتر پردیش ایک ایسی جگہ ہے جہاں بی جے پی اقتدار سے عرصے سے غائب ہے، مگر مسلمانوں کے خلاف منظّم دنگے برابر ہوتے رہے ہیں۔ گجرات میں ایک دنگا اور یوپی میں ہر دن دنگے، ابھی مظفر نگر دنگا کتنا بھیانک تھا۔

جواباً کہا جاسکتا ہے کہ: سو، سُنار کی، ایک لوہار کی۔ مگر اِس کا مطلب جہاں یہ ہے کہ سنار، سو چوٹوں میں جتنا کام کرتا ہے، لوہار اُسے ایک چوٹ میں نمٹا دیتا ہے، وہیں یہ بھی مطلب ہے کہ لوہار ایک دھما کے دار چوٹ میں جتنا کام کرتا ہے، سنار اپنی دھیمی اور لگاتار چوٹوں سے وقت کے رہتے کام کے فیصد کے اُس آنکڑے کو چھولیتا ہے جس تک لوہار پہنچا ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی سے کیا فائدہ، خربوزہ چُھری پر گرے، یا چُھری خربوزے پر، کٹنا خربوزے کو ہی ہے، سرکار کانگریس کی بنے یا بھاجپا کی، مسلمانوں کو سب نقصان پہنچاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ سیاسی پارٹیوں کے کام بدلے ہوئے نہیں ہیں، طریقۂ کار بدلے ہوئے ہیں۔

یہی لگ بھگ مصباحی صاحب کا خیال ہے کہ ''حقیقت تو یہ ہے کہ بھاجپا جس طرح مسلمانوں کے جذبات ومفادات کی پامالی کررہی ہے، کم بیش اسی طرح ہر پارٹی اور ہر حکومت نے یہ خدمت انجام دی ہے، مسلمانوں کے جذبات و مفادات کا خون سب نے کیا ہے اور سب کی آستینوں کے خنجر مسلمانوں کے لہو سے رنگین ہیں''۔

(نقوشِ فکر از مولانا یٰسین اختر مصباحی، صفحہ 361، اسلامک پبلشر، مٹیا محل، دہلی 2004ء)

ہمارا ایک تجزیہ، یہ ہوا۔ اِس کے باوجود سچ یہ ہے کہ ہم بھی آپ ہی کے بھائی اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں، آپ ہی کی طرح کسی قدر نرم گوشہ ہم بھی اُنہیں سیاسی پارٹیوں

کے لیے رکھتے ہیں جن سیاسی پارٹیوں کے لیے آپ رکھتے ہیں۔ رہی ورلڈ صوفی فورم کے افتتاحی پروگرام وگیان بھون میں مودی کی آمد، تو اِس کو آپ اس طور پر بھی لے سکتے تھے کہ کڑی تنقیدوں کے باوجود اگر اشرف میاں، وزیراعظم مودی کو اپنے پروگرام میں بلا ہی رہے ہیں۔

تو جہاں کثیر تعداد میں مسلمانوں کو اس سے اتفاق نہیں اور یہ عدمِ اتفاق بہت واضح ہو کر سامنے آچکا ہے۔ اِس کے باوجود ایسا ہونا ملک کی نام نہاد سیاسی پارٹیوں کے لیے زبردست تنبیہ بھی ہوگی، جس سے مسلمانوں کے حق میں بہتر نتائج نکلنے کی امید ہے۔ مگر افسوس! نیتوں پر حملہ آوری کا جذبہ اپنے خمیری اجزاے ترتیبی کی نقاب کشائی ہی سے مطمئن ہوا۔

رہا یہ اعتراض کہ صرف مسٹر مودی کو کیوں مدعو کیوں کیا گیا، دیگر کسی پارٹی کے لوگوں اور جب دہلی میں پروگرام ہو رہا تھا تو خاص کر دہلی کے وزیراعلی کجریوال کو کیوں مدعو نہیں کیا گیا۔ تو یہ اعتراض لاعلمی پر مبنی ہے کیوں کہ:

''افتتاحی اجلاس میں علما ومشائخ بورڈ نے وزیراعظم ہند اور مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور کے علاوہ 30 سے زائد ممالک کے سفیروں، نیشنل میڈیا، یونیورسٹیز، سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، سیشن کورٹ کے مسلم وغیر مسلم عہدے داروں، ججوں، وکیلوں اور سماج کے طبقۂ اشرافیہ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا''۔ (ماہ نامہ جام نور مئی 2016، ص 12)۔

''افتتاحی اجلاس میں بشمول ہندوستان کئی ملکوں کے نمائندوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، اس اجلاس میں بطور مہمانِ خصوصی، دہلی کے وزیراعلی کو بھی مدعو کیا گیا تھا، مندوبین اور میڈیا کو جو پروگرام کا شڈول تقسیم کیا گیا تھا، اُس میں ان کا نام بھی موجود تھا، آرگنائزرس، مندوبین، عوام اور میڈیا کے لوگ اُن کے منتظر تھے، تاہم عین وقت پر وہ کسی حکومتی مصروفیات کی وجہ سے نہیں آسکے''۔ (مصدر سابق ص 14)

افسوس! کہ مصباحی صاحب نے بیش تر معاملات میں ادھوری معلومات رکھتے ہوئے شدید اعتراضات کیے اور ساتھ ہی بھاجپا نواز گروپ، زرخرید، بکے ہوئے مولوی، زباں کسی نے خرید لی، قلم

کسی کا غلام ہے وغیرہ نہ جانے کیا کیا تہمتیں لگائیں۔ سچ کہا ہے کسی نے:

بدلتی ہے جس وقت ظالم کی نیت......... نہیں کام آتی دلیل وحجت۔

ڈاکٹر طاہر القادری کی آمد پر اعتراض

احتسابِ شرعی سے پہلے ثبوتِ شرعی کی ضرورت

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے صوفی کانفرنس میں ڈاکٹر طاہر القادری کی آمد وشرکت پر بھی اعتراض جتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک متہم ومشکوک شخص ہیں۔ مصباحی صاحب اِس سے پہلے اُنہیں صلح کلی، گم راہ، دینِ الٰہی کا موجد وغیرہ بھی کہہ چکے ہیں۔ لیکن بڑا سوال یہ ہے کہ اِن بے حد بھیانک اور نہایت نام زد شرعی الزامات سے پہلے خالص شرعی طریقوں کے مطابق قطعی شرعی ثبوتوں کو بھی فراہم کر لیا گیا ہے؟ آخر کیا بات ہے کہ ڈاکٹر قادری کے خلاف موصوف نے تین تین بار بوجھل شرعی الزامات لگائے ہیں۔

ایک بار ''لمحۂ فکریہ'' لکھا، جس میں اپنے مشہور لپیٹو انداز میں ڈاکٹر قادری کو مذہبی معاملات میں اکبر اور دجال سے کم نہیں ٹھہرایا۔ دوسری بار ''عرفانِ مذہب ومسلک'' نامی کتابچہ لکھا، جس میں ڈاکٹر قادری کو صلح کلی اور گم راہ تحریر کیا۔ اور اب صوفی کانفرنس سے متعلق ایک تازہ تحریر میں ''متہم ومشکوک'' ٹھہرا رہے ہیں۔ مگر شرعی ثبوتوں سے ہر تحریر مکمل خالی ہے، کیوں؟ کیا ''احتسابِ شرعی سے پہلے ثبوتِ شرعی کی ضرورت'' اب نہیں رہی؟

ابھی پچھلے دنوں بریلی۔ مبارک پور تنازع کے دوران جس میں مبارک پور کی طرف سے مولانا عبید اللہ خاں اعظمی زبانی اور موصوف قلمی محاذ سنبھالے ہوئے تھے، موصوف سے لوگ ملتے اور بریلویوں کی طرف سے لگائے جا رہے الزامات کا ذکر کرتے تو جناب اکثر یہ اصول تعلیم فرماتے کہ ''الزام لگانے سے پہلے صاحبِ معاملہ سے ملاقات وبات کرنا چاہیے''۔ تو کیا خود آپ نے اپنے اصول کے مطابق الزام لگانے سے پہلے ڈاکٹر قادری سے کوئی ملاقات وبات کی؟

ناچیز کو ایک فاضل دوست نے بتایا کہ ایک ملاقات میں مصباحی صاحب نے ڈاکٹر قادری سے متعلق یہ الزام لگایا کہ وہ ''فقہ میں امام اعظم کو اپنا حریف کہتے ہیں''۔ مصباحی صاحب سے جب اِس الزام کا شرعی ثبوت چاہا، تو جواب دیا کہ ''مشہور ومعروف ہے''۔ سوال یہ ہے کہ کسی بڑی مذہبی شخصیت پر اِس طرح نام زد شرعی تہمتیں لگانا ایک ذمہ دار عالم کے لیے جائز ہے؟

ہمیں ایک دوسرے فاضل دوست نے بتایا کہ جس وقت مولانا یٰسین اختر مصباحی نے لمحۂ فکریہ تحریر کیا، اُس وقت ایک صاحب نے ڈاکٹر قادری کا وہ تفصیلی وتاریخی خط جو اُنہوں نے مولانا تقدس علی بریلوی علیہ الرحمہ کے ایک استفسار کے جواب میں بعض مسائل پر اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا تھا، موصوف کی خدمت میں پیش کیا تو موصوف چونک گئے، کہ ارے! اچھا! ایسا ہے!

یہاں قارئین اِس پر بھی دھیان دیں کہ پہلی بار ''اکبر ودجال'' جیسا کہا گیا، دوسری بار ''صلح کلی وگم راہ'' اور تیسری بار صرف ''متہم ومشکوک''۔ یعنی الزامات دھیرے دھیرے ہلکے ہوتے جارہے ہیں۔

''مشہور ومعروف ہے'' پر عرض ہے کہ اِس طرح تو خود موصوف پر بھی صلح کلی اور گم راہ ہونے کے الزامات مشہور ہیں، اِس سلسلے میں کتابیں تک تحریر کی جاچکی ہیں جن کی حوصلہ افزائی بریلی سے کی گئی ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنی ایک تازہ تحریر میں کہا ہے کہ ڈاکٹر قادری کو پاکستان کے بڑے سنی (بمعنی بریلوی) مرکزی اداروں میں سے کسی کی حمایت حاصل نہیں۔

مگر مصباحی صاحب کی حمایت کے بجائے مخالفت میں اور مستزاد یہ کہ ''مرکزوں کے مرکز بریلی'' کی نیم رسمی رائے یہی ہے کہ ناقابلِ اعتبار، صلح کلی، متہم ومشکوک ہیں۔ ظاہر ہے مرکز نے کہہ دیا، ہندو پاک میں موجود تمام شاخوں کی ازخود نمائندگی ہوگئی۔ پھر خود مصباحی صاحب اپنے دلائل کی روشنی میں صلح کلی اور متہم ومشکوک کیوں نہیں؟۔

مصباحی صاحب کے ساتھ مزید بات یہ ہے کہ اُنہوں نے دارالعلوم ندوہ جیسے ادارے میں تعلیم حاصل کی جسے اہلِ بریلی صلح کلیت کا گڑھ کہتے ہیں۔ جہاں موصوف، اساتذہ کا احترام بھی بجالاتے رہے ہوں گے، سلام ومصافحہ بھی کرتے ہوں گے۔ ندوی طلبہ کے ساتھ دعا سلام

اور کلام طعام بھی چلتا ہوگا۔

لگاتار شرفِ تلمذ کے حصول اور ہم جماعتی کی برکت سے نفرت کے بجائے اساتذہ وطلبۂ ندوہ کے تئیں طبیعت میں کسی قدر اُنسیت ہی بڑھی ہوگی۔ ریاض میں بھی غالب گمان ہے کہ کسی ایسے ہی عرب شیخ کے آفس میں ملازمت کی ہوگی۔ جو عموماً وہابی جانے جاتے ہیں۔ پھر خود آپ متہم ومشکوک کیوں نہیں؟ اور کیا آپ کے ''جماعتی مسلک'' میں یہ سب جائز ہے؟

مصباحی صاحب نے لکھا ہے کہ ''پروفیسر طاہر القادری کے تعلق سے کم از کم جو بات کوئی شخص کہہ سکتا ہے وہ یہ کہ مشکوک ومتہم شخص ہیں اور مشکوک ومتہم شخص یا جگہ سے دور رہنے کی ہدایت ہے''۔ مگر مصباحی صاحب اپنی ہی ہدایت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا اساتذہ وتلامذۂ ندوہ متہم ومشکوک نہیں ہیں؟ خود ندوہ متہم ومشکوک نہیں ہے؟ خود اُن سے آپ کیوں نہیں بچے؟

بلکہ موصوف، اپنا دہلی کردار جو مسلسل روشنی سے پرے رہا ہے، سے متعلق ذرا دل تھام کر یہ انکشاف بھی پڑھ لیں کہ راقم ناصر مصباحی کو ایک اتفاقی، پہلی ملاقات میں مولانا عبدالرحمٰن عابد قاسمی دہلی نے بتایا، جنہوں نے اولاً تو جم کر مولانا یٰسین اختر مصباحی کی تعریف وتحسین کی اور پھر کہا کہ مولانا یٰسین اختر صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں، ہمارے مولانا سے بہت تعلقات رہے ہیں، وہ اکثر ہمارے کمرے پر آجاتے تھے اور یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔

مولانا کمرے پر آتے اور ہم سب مل کر وہاں کھانا بناتے، کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے مولانا سے مزاحاً کہا کہ آپ (بریلوی) لوگ تو ہمارے پیچھے نماز پڑھتے نہیں اور ہمیں کافر سمجھتے ہیں وغیرہ۔ لیکن بہر حال، ہمارے (مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا عبدالرحمٰن عابد قاسمی) کے درمیان مسئلہ ایسا نہیں تھا، بلکہ وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے اور ہم اُن کے پیچھے''۔

قارئین، یہاں یہ اعتراض نہ کریں کہ لکھنے سے پہلے راقم نے مصباحی صاحب سے کیوں رجوع نہیں کیا۔ لہٰذا پیشگی عرض ہے کہ اِس اعتراض کی، خاص کر جب بات مصباحی صاحب سے متعلق چل رہی ہے، اصلاً کوئی اہمیت وحاجت نہیں، کیوں کہ خود پر پڑے اِس طرح کے ایک اعتراض سے متعلق خود مصباحی صاحب کی طرف سے باضابطہ رولنگ (ruling)

آ چکی ہے، جو یہ ہے:

’’حضرت مصباحی صاحب نے میرے استفسار کے جواب میں فرمایا کہ: ٹھیک ہے، تنویر ہاشمی صاحب کسی ماہنامے میں اپنا موقف بیان کر دیں، اِس سے میری تردید ہو جائے گی‘‘۔

اِس کا پس منظر یہ ہے کہ صوفی کانفرنس کے دنوں مولانا یٰسین اختر مصباحی نے ضرورتِ شخصی کے تحت کسی بے نام کی کان بھرائی پر یقین کرتے ہوئے مولانا سید تنویر ہاشمی سجادہ نشین خانقاہ ہاشم پیر، بیجاپور (کرناٹک) پر بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تہمت گڑھ ڈالی تھی، جس پر مولانا ناظم اشرف مصباحی نے ہاشمی صاحب سے رجوع کے جب مصباحی صاحب سے ٹیلی فونک رابطہ کیا اور بتایا کہ مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب تو اسے سراسر بہتان ٹھہرا رہے ہیں۔

لہٰذا آپ نے اتنے سنگین الزام سے قبل براہِ راست ہاشمی صاحب سے رجوع کیوں نہیں کر لیا۔ اس پر مصباحی صاحب نے پوری شانِ بے نیازی کے ساتھ مذکورہ رولنگ نما حکم جاری فرمایا۔ (تفصیل کے لیے مولانا ناظم اشرف مصباحی کی تحریر دیکھیں جو اسی کتاب میں شامل ہے)۔

ایسے ہی کیا دہلی میں پروفیسر اختر الواسع اپنے مسلک وسنیت کے حوالے سے متہم ومشکوک نہیں ہیں؟ مولانا وحید الدین احمد خاں کے بیٹے ڈاکٹر ظفر الاسلام متہم ومشکوک نہیں ہیں؟ اِن کے ساتھ آپ کیوں ہر طرح کے دینی وملی اسٹیج share کرتے ہیں؟ دہشت گردی مخالف کانفرنس (19 اپریل 2015، کانسٹی ٹیوشن کلب نئی دہلی) جو آپ ہی کی سربراہی میں ہوئی، اُس میں ظفر الاسلام کو کیوں مدعو کیا گیا۔ نیز آپ نے شانتی سمیلن بدایوں میں شرکت کی جس میں کون کون شریک تھے، آپ کو خود بخوبی معلوم ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک طاہر القادری ہی متہم ومشکوک ہے جس سے بچنے کی ہدایت ہے بس؟ کیا شریعت آپ کے گھر کی ہے کہ جس پر جیسا چاہا، حکم لگا دیا؟

میں نہایت بلیغ بات بڑی ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری گستاخِ رسول، گستاخِ اہلِ بیت اور گستاخِ صحابہ سے کوئی دینی ومسلکی سمجھوتہ نہیں کرتے، مگر اس کے ساتھ وہ ہندوپاک کے کسی مخصوص جتھے کے ’’تحکمانہ فتووں‘‘ اور ’’گروہی اصطلاحات‘‘ کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی میں اخلاقی غیرت ہے تو یہ بھی بتائیں کہ پروفیسر طاہر القادری کی مخالفت میں تین تین بار (لمحۂ فکریہ، عرفانِ مذہب ومسلک، صوفی کانفرنس) حرکتیں کرنے کے باوجود آج تک آپ نے مولانا توقیر رضا خاں بریلوی کو کیوں معاف کر رکھا ہے؟

اگر پروفیسر طاہر القادری متہم ومشکوک شخص ہیں، تو کیا ’’غیر مشکوک دیوبندیوں‘‘ سے قربت ومصاحبت ومصافحت رکھنے پر مولانا توقیر رضا خاں محتاط اور غیر متہم شخص رہے؟ وہ قابلِ گرفت نہیں؟ اور کیا مولانا توقیر رضا خاں کے عمل سے حسام الحرمین کا خون نہیں ہو رہا ہے؟ حیرت ہے مولانا یٰسین اختر مصباحی جیسے ذمے دار عالم کہ جنھوں نے اپنے اصل مشن دار القلم میں فلاپ رہنے کے بعد اپنوں ہی کے درمیان ’’تمیز بین الحق والباطل کی جھنڈا برداری‘‘ کے لیے خود کو خاک میں ملا رکھا ہے، وہ اس نازک مسئلے پر مسلسل silent mode پر ہیں!

بلاشبہ، کم از کم جماعتِ بریلی کے نزدیک مولانا توقیر رضا خاں کے حالیہ اقدامات اس لیے بھی بے حد حساس ہیں کہ پروفیسر طاہر القادری کے برخلاف، وہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ’’گھر کا بھیدی لنکا ڈھا رہا ہے‘‘۔ ایسے میں طرفہ یہ کہ شہنشاہِ خانہ جنگیت وبادشاہِ عقل کلیت، دار القلم میں بیٹھے تماشائے محض دیکھ رہے ہیں!

طاہر القادری کی آمد سے اہلِ سنت متحد ہوئے

مولانا یٰسین اختر مصباحی نے پروفیسر طاہر القادری کی صوفی کانفرنس میں شرکت کو اہلِ سنت کے درمیان وجہِ انتشار بتایا ہے، لکھتے ہیں ’’پروفیسر طاہر القادری کو اِس کانفرنس وسیمینار میں مدعو کر کے خواہ مخواہ کے اختلاف وانتشار کو دعوت دینے اور ہندوستان کے بے شمار علمائے اہلِ سنت کو ناراض کرنے کی ضرورت کیا تھی‘‘۔

اِس پر سب سے پہلے تو عرض یہ ہے کہ علما ومشائخ بورڈ اب تک ملک میں کئی بڑی کانفرنسز کرا چکا ہے جب کہ صوفی کانفرنس کے علاوہ پروفیسر طاہر القادری اب تک بورڈ کی کسی کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے ہیں۔ کتنے متحد اور راضی ہوئے آپ اور آپ کے یہ ذرا سے ’’بے شمار علمائے اہلِ سنت‘‘؟

ذرا پیچھے مُڑ کر دیکھیے، خاص آپ کو اِس بات پر شدید تکلیف تھی کہ کیوں کسی مدیر نے کسی معتبر جماعتی مجلّے میں علما و مشائخ بورڈ کی مرادآباد مسلم مہا پنچایت کی تفصیلی وتحمیدی رپورٹ لکھی اور شائع کی تھی۔ شاید آپ کو اب تک اپنے نپے تلے شکائتی جملے بھی یاد ہوں! بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ شریر دماغ کے کسی گوشے میں ''خانوادۂ اشرفیہ کے خلاف عصبیت'' ابھی باقی ہے۔ ورنہ یہ مسلسل فاصلہ بنائے رکھنے کی پالیسی چہ معنی دارد؟۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اتحاد و اجتماع نہیں ہوا تو پھر کیا ہوا۔ یہ سیکڑوں صوفیہ، مشائخ، علما، مفکرین، دانش وران کا چار روزہ دہلی میلہ، اتحادِ اہلِ سنت نہیں تھا تو کیا اتحادِ اہلِ تشیع یا اتحادِ اہلِ توہب تھا؟۔

خاص پروفیسر طاہرالقادری کے ساتھ صوفی کانفرنس کا اسٹیج share کرنے والے ملک و بیرونِ ملک کے موجود سیکڑوں علما و مشائخ، اہلِ سنت کے نہیں تھے تو کیا دوسرے کسی گم راہ فرقے کے تھے؟ اور جب اہلِ سنت کے تھے تو سیکڑوں سنی صوفی علما و مشائخ کا یہ جمگھٹا اتحاد نہیں، تو کیا انتشار تھا؟۔

مزید عرض یہ ہے کہ جس جماعت یا جن علمائے اہلِ سنت کی آپ بات کر رہے ہیں، اُن میں اتحاد ہے کہاں کہ اب پروفیسر کے آنے سے انتشار ہو رہا ہے۔ ''اِس جماعت یا اِن علمائے اہلِ سنت'' کے سال میں دو تین بڑے اجتماعات ہوتے ہیں، عرسِ رضوی، عرس عزیزی، عرسِ برکاتی وغیرہ۔ تو کیا اتحاد آپ وہاں دیکھتے ہیں؟ مستزاد یہ کہ خاص اولین دو عرسوں میں تو پچھلے کئی سالوں سے ایک دوسرے کے خلاف باضابطہ لمبی لمبی تقریریں ہوتی یا کرائی جاتی رہی ہیں، باضابطہ آپسی ردّ و مخالفت پر مشتمل کتابچوں کی رونمائی ہوتی ہے، تو کیا یہی اتحاد ہے؟ کیا اِسی اتحاد کی بات کر رہے ہیں کہ صوفی کانفرنس و سیمینار میں دیکھنے کو نہیں ملا؟

سچ یہ ہے کہ دہائیوں بعد ہندوستان میں اہلِ سنت کا اتنا بڑا اتحاد جو مذکورہ کسی عرسی مقام پر نہ ہوا، نہ آسانی سے ہو سکے، وہ صوفی سیمینار و کانفرنس کے حوالے سے دہلی میں دیکھنے کو ملا ہے۔ مذکورہ کسی بھی عرسی مقام پر آسانی سے اتنا بڑا سنی صوفی اتحاد اِس لیے ناممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے پر طرح طرح کے فتوے جو لگے پڑے ہیں۔

بلکہ انتشار و اتحاد کی بات چھڑ گئی تو بڑی ذمہ داری سے عرض ہے کہ موصوف کے اِن گنے چنے ''بے شمار علمائے اہلِ سنت'' یا جتھے کا حجم رکھنے والی ''جماعتِ اہلِ سنت'' کے درمیان اتحاد اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک وہ اپنے مسلکِ خاص سے کلی انصاف کرتے رہیں گے۔ چیلنج دیتے ہوئے عرض ہے کہ بریلوی مسلک کی اب تک کی جو تشریحات کی گئی ہیں، اُس کے پیشِ نظر بغاوت ہی اتحادِ اہلِ سنت کا واحد راستہ ہے۔

مولانا سید تنویر ہاشمی پر سنگین بہتان

مولانا یٰسین اختر مصباحی کو نہ جانے آج کل کیا ہو گیا ہے کہ بلا تحقیق کسی پر بھی الزام تراشیاں کر ڈالتے ہیں۔ صوفی کانفرنس کی جنونی مخالفت کے دنوں میں تو اتہامات کی حد کر دی۔ تازہ شدید ترین تہمت یہ ہے کہ مولانا سید تنویر ہاشمی سجادہ نشین خانقاہ بیجاپور کے دل میں جلیل القدر صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے ''غبار و بخار'' ہے۔ دلیل کے طور پر کہا ہے کہ مجھے ایک ثقہ راوی نے یہ بات بتائی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔

مصباحی صاحب کا یہ از حد شرم ناک اور غیر ذمے دارانہ بیان ہے جو صرف صوفی کانفرنس سے غیر ضروری حسد رکھنے کے باعث اُس کے ایک اہم رکن کے خلاف دیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ مصباحی صاحب نے بالکل نہیں سوچا کہ میں یہ کس نوعیت کا سنگین الزام دے رہا ہوں، کس قابلِ قدر شخصیت پر دے رہا ہوں اور کس کم زور بنیاد پر دے رہا ہوں۔

حد سے بڑھے جنون میں مصباحی صاحب شریعت ہی نہیں بلکہ اخلاقیات اور اُس کے اصول و ضابطے سب بھول گئے۔ مومن کے حق میں حسنِ ظن کی تاکید بھی پیشِ نظر نہ رہی۔ دین جو سراسر خیر خواہی کا نام ہے، اُس کے نام پر بدخواہی کی حد کر دی۔

فرض کیجیے، کسی نے آپ تک یہ بات پہنچائی بھی تھی، تو چوں کہ یہ بے حد سنگین الزام ہے۔ یہ الزام انسان کے عام کردار و عمل، رویہ و سلوک، سوچ و فکر وغیرہ پر ضرب نہیں، بلکہ براہِ راست ایمان پر ضرب ہے۔ لہذا سب سے پہلے ضروری تھا کہ کسی ایک پر بھروسا کرنے کے بجائے مختلف معتبر لوگوں

سے کچھ نہ کچھ رجحان سمجھنے کی کوشش کی جاتی کہ سنی ہوئی بات میں صداقت کہاں تک ممکن ہے۔ پھر کسی قدر اثبات کی صورت میں براہِ راست صاحبِ معاملہ سے رجوع کیا جاتا اور اصل و براہِ راست موقف جاننے کی کوشش کی جاتی، اگر سنی ہوئی بات میں کچھ سچائی محسوس ہوتی تو علمی گفتگو کے ذریعے تفہیمِ مسئلہ کی حد تک اتمامِ حجت تک کوشش کی جاتی۔

مگر مصباحی صاحب مفروضے کو لے اُڑے اور نہ جانے کس بہتان تراش پر بھروسا کر کے ایک مذہبی و محترم شخصیت کے ایمان و عزت پر حملہ کر دیا۔ یقیناً مصباحی صاحب کی یہ حرکت وجسارت، ایمان سوز ہی نہیں ہتکِ عزت بھی ہے۔ مصباحی صاحب نے دعوی کیا ہے کہ اُنہیں ''ثقہ راوی'' نے یہ بات بتائی تھی۔

مگر یہاں تحقیق طلب امور، یہ ہیں کہ:

(1) خود مصباحی صاحب کے دل میں تو سید تنویر ہاشمی کی طرف سے غبار و بخار نہیں ہے؟

(2) کیا ''ثقہ راوی'' کے دل میں تو سید تنویر ہاشمی کی طرف سے غبار و بخار نہیں ہے؟

(3) جس بنیاد پر ''ثقہ راوی'' نے غبار و بخار ہونے کا نتیجہ اخذ کیا ہے، کیا وہ بنیاد، اِس اخذِ نتیجۂ سنگین کی حامل ہے؟

(4) کیا ''ثقہ راوی'' نے براہِ راست صاحبِ معاملہ سے رجوع کیا ہے یا یوں ہی فتنہ انگیزی کرتا پھر رہا ہے؟

جس کے پیچھے پڑ جائیں، سونگھ سونگھ کر اُس کی کم زوریاں تلاش کر کے پروپیگنڈہ کرنے اور پھر اُس کے خلاف تہمتیں تراشنے کے رسیا مولانا یٰسین اختر مصباحی اِن نکات پر، بہ عدالتِ علماے شرع متین، اپنے عالمانہ جواب داخل کریں۔ ویسے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ محتاطِ اہلِ سنت، اتہام تراشی سے قبل ہی نکاتِ مذکورہ پر تحقیق فرمالیتے۔

غیر سنجیدہ اسلوبِ تنقید

بلاشبہ مولانا یٰسین اختر مصباحی آج تک جماعتِ بریلی کے سنجیدہ قلم کار سمجھے جاتے رہے ہیں، مگر اب پچھلے کچھ سالوں سے یہ سنجیدگی مسلسل گھٹتی جا رہی ہے۔ خاص

بریلوی خانہ جنگی پر مشتمل جو تحریریں منظرِ عام پر آئی ہیں اُن کے لب و لہجے میں بے حد تلخی و کرختگی ہے۔ سفاہت و تحمق، عیاری و مکاری، مروانی سیاست کی داسیسہ کاری، حسد و عناد نے ان کے علم و عقل کو مفلوج بنا کر، جماعتِ اہل سنت کا فتنۂ کبیر، مروانی سیاست کا نمونۂ کبیر، جھنڈا بردار، ٹھیکے دار، بد دماغی، مرضِ لا علاج جیسے غیر سنجیدہ کلمات کی تحریروں میں بھرمار ہے۔

جب کہ صوفی کانفرنس کی مخالفت تک آتے آتے یہ غیر سنجیدگی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ کسی نے ''بھارت ماتا'' کے نعرے پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اُسے ذو معنی لفظ قرار دے کر وضاحت کے لیے لفظِ ''حرام'' کی مثال پیش کی، جسے خود مصباحی صاحب نے بھی نقل کیا ہے کہ:

''لفظِ 'حرام' کا معنی ہے قابلِ حفاظت، محترم۔ جیسے المسجد الحرام جو قرآن حکیم میں بھی وارد ہے، اِسی محترم معنی و مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے کسی بھی مقدس چیز اور مقام کی صفت ''حرام'' ہوسکتی ہے......الآخر''۔

کسی کی یہ بے حد سنجیدہ گفتگو ہے، مگر اس پر مصباحی صاحب کے جواب کے انداز دیکھیں:

''عرض ہے کہ ایک اور لفظ بھی عرب و عجم میں ہر جگہ رائج و مشہور ہے، جو لفظ حرام میں یائے نسبتی کے اضافے کے ساتھ ''حرامی'' بن جاتا ہے، اِس لفظ ''حرامی'' کے استعمال عام و عرفِ عام کو نظر انداز کرتے ہوئے علم لغت کا سہارا لے کر وہی ''عدیم العلم'' اور ''یتیم العقل'' شخص کہنے لگے کہ لفظ ''حرامی'' کا عرفی نہیں بلکہ لغوی معنی مراد لے کر بلکہ کھینچ تان کر کسی بھی محترم شخص کو ''حرامی'' کہا جاسکتا ہے، اِس میں حرج کیا ہے؟

ایسے ''مخبوط الحواس'' شخص سے کوئی ''سرپھرا''، عام آدمی بھی بلا کسی جھجک کے، یہ کہہ سکتا ہے اور اُسے کوئی روک بھی نہیں سکتا کہ پھر اجازت دیجیے کہ آپ کے اِس خیال کو عملی شکل دینے کے لیے، بر سرِ عام آپ کو ''حرامی'' ہی نہیں، بلکہ ''حرام الدہر'' بھی کہا جائے، جس کی مراد و مفہوم یہی ہو کہ آپ محترم بلکہ اپنے زمانے کے محترم و معظم شخص ہیں تو کیا وہ شخص کبھی اس کی اجازت دے سکتا ہے؟''۔

خلاصہ یہ کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی جو شروعاتِ حیاتِ سرگرم سے واقعی ایک تعمیری شخصیت کے طور پر اُبھرے تھے، درمیانِ سفر ہی تحویلِ قبلہ کر بیٹھے اور آج حالت یہ ہے کہ نہ فکرِ بلند بچی ہے، نہ قلمِ باوقار رہا ہے۔ نقصان بھی متعدی ہوا کہ صرف مصباحی صاحب کی شخصیت ہی مجروح وضائع نہ ہوئی، بلکہ جماعتِ بریلی کی حالت کو عموماً اور نوجوانانِ جماعت کو خصوصاً صدمہ پہنچا ہے۔ (لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً)۔

ورلڈ صوفی فورم (17 تا 20 مارچ 2016)

مصباحی صاحب کے مفروضہ اعتراضات

مولانا خوشتر نورانی
مدیر ماہ نامہ جام نور، نئی دہلی

ورلڈ صوفی فورم: اعلان وانعقاد

آل انڈیا علما ومشائخ بورڈ (AIUMB) نے اپنی نوعیت کا منفرد اور انقلابی قدم اُٹھاتے ہوئے اپنے ذکر کردہ مقاصد اور عزائم کے حصول اور موجودہ دہشت گردی کے خلاف صوفی سنی مسلمانوں کی طرف سے عالمی سطح پر آواز بلند کرنے کے لیے آج سے دو سال قبل دہلی کے اندر چار روزہ ورلڈ صوفی فورم کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔

چوں کہ اہل سنت و جماعت کی جانب سے آزاد ہندوستان میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد اور سب سے بڑا اجلاس اور فورم ہونے جا رہا تھا، اس لیے اس کی تیاری دو سال قبل ہی سے شروع کر دی گئی تھی۔ بورڈ کے ذمہ داران واراکین نے اس تاریخی اجلاس کے لیے چند اہم فیصلے لیے، جیسے:

ورلڈ صوفی فورم کا چار روزہ پروگرام ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں 17 تا 20 مارچ 2016ء کو عمل میں آئے گا۔ افتتاحی تقریب 17/مارچ کو وگیان بھون میں منعقد ہوگی اور پھر لگاتار دو دن 18/ اور 19/مارچ کو انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر میں انٹرنیشنل صوفی سیمینار کا انعقاد ہوگا، جب کہ آخری عوامی اجلاس بعنوان انٹرنیشنل صوفی کانفرنس دہلی کے مشہور رام لیلا میدان میں ہوگا، جس میں ورلڈ صوفی فورم کے جملہ مندوبین بھی شریک ہوں گے۔

ورلڈ صوفی فورم کا بنیادی ایجنڈا یہ ہوگا کہ صوفیہ کی تعلیمات کے ذریعے عالمی بحران کے حل کا راستہ تلاش کیا جائے، کیوں کہ ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جہاں بھی انتہا پسندی، اخلاقی و تہذیبی زوال اور غربت وجہالت نے زور پکڑا، وہاں صوفیہ کی تعلیمات نے اُن کے خاتمے میں اہم

کردارادا کیا ہے۔ ورلڈ صوفی فورم کا ایجنڈا ہے کہ دنیا بھر کے مشائخ، اہلِ خانقاہ اور علما ایک جگہ جمع ہو کر مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ جدید تناظر میں آج کے مسائل کا حل تلاش کریں اور نظری و عملی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں۔

عادی مخالفین کے منھ نہ لگنے کی پالیسی

جیسے جیسے صوفی فورم کی سرگرمیاں بڑھیں گی، داخلی طور پر جنونیوں کا ایک ٹولہ علما و مشائخ بورڈ اور صوفی فورم کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے گا، اتہامات اور الزامات کی بارش ہوگی، بورڈ کی نیتوں پر حملے ہوں گے اور مشائخ، علما، اسکالرس اور عوام کو کانفرنس سے روکنے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کی جائے گی، کیوں کہ عادی مجرموں کی طرح یہ مخالفت کرنے والے عادی ہیں، جو اپنے علاوہ ہر ایک مثبت کام کی مخالفت کرتے ہیں۔

بورڈ اِس صورتِ حال میں کانفرنس کے اختتام تک کسی کا جواب دے کر وقت اور انرجی ضائع نہیں کرے گا، کیوں کہ عوام اُن کی عادت اور فطرت سے خوب واقف ہو چلے ہیں، سوائے اُن کے اپنے ٹولے کے کسی اور تنظیم، تحریک، ادارے، خانقاہوں اور اُن سے وابستہ عوام پر اُن کی مخالفت کا اثر بھی نہیں ہوتا، اس لیے بورڈ اپنی پوری توجہ صوفی فورم کو کامیاب کرنے پر رکھے گا۔

اللہ کا شکر ہے کہ ان فیصلوں پر ثابت قدمی کے ساتھ بورڈ اور اُس کے ذمہ داران ڈٹے رہے اور اُن پر کام کرتے رہے۔ بورڈ کے تمام ذمہ داروں، عہدے داروں اور جی جان سے لگے ہزاروں محبت کرنے والوں کی بدولت اللہ نے کانفرنس کو ایسا کامیاب اور سرخ رو کیا کہ دہائیوں تک اُسے یاد کیا جاتا رہے گا۔

پروگرام میں صرف مودی ہی مدعو نہ تھے

17 مارچ کی شام چار بجے ''ورلڈ صوفی فورم'' کا افتتاحی اجلاس وگیان بھون، نئی دہلی میں شروع ہوا، اور پونے دس بجے ختم ہوا۔ اس افتتاحی اجلاس میں علما و مشائخ بورڈ نے وزیر اعظم ہند اور

مرکزی وزیر برائے اقلیتی امور کے علاوہ 30 سے زائد ممالک کے سفیروں، نیشنل میڈیا، یونی ورسٹیز، سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، سیشن کورٹ کے مسلم و غیر مسلم عہدے داروں، ججوں، وکیلوں اور سماج کے طبقۂ اشرافیہ کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا، تاکہ اسلام اور تصوف کی تعلیمات، غیر مشروط محبت اور امن و رواداری کا پیغامِ صوفیانہ، نیز دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف اسلام اور صوفیہ کے موقف کو اُنھیں براہِ راست بتایا جائے۔

وزیر اعلیٰ دہلی بھی مدعو تھے

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں بشمول ہندوستان کئی ملکوں کے نمائندوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس اجلاس میں بطورِ مہمان خصوصی دہلی کے وزیر اعلیٰ کو بھی مدعو کیا گیا تھا، مندوبین اور میڈیا کو جو پروگرام کا شیڈول تقسیم کیا گیا تھا، اس میں اُن کا نام بھی موجود تھا، آرگنائزرس، مندوبین، عوام اور میڈیا کے لوگ اُن کے منتظر تھے، تاہم عین وقت پر وہ کسی حکومتی مصروفیات کی وجہ سے نہیں آسکے۔ جو لوگ ''صوفی فورم'' پر، اس بنیاد پر بھاجپا نوازی کا الزام لگا رہے ہیں، اُنھیں پہلے حقیقتِ حال معلوم کر لینی چاہیے تھی۔ اب مزید اطمینان اور تحقیق و تفتیش کے لیے اُنھیں وزیر اعلیٰ کے آفس سے رجوع کرنا چاہیے۔

بھارت ماتا کا نعرہ: سچ کیا ہے

وگیان بھون میں منعقد افتتاحی اجلاس کے دوسرے سیشن میں جب وزیر اعظم ہند کی آمد ہوئی تو اچانک میڈیا گیلری میں بیٹھے ایک غیر مسلم نے ''بھارت ماتا کی جئے'' کا نعرہ لگایا، جس کا جواب اُسی کے دو تین ساتھیوں نے دیا، اس وقت وزیر اعظم کے ہال کے اندر آنے سے افراتفری ہو رہی تھی، جلسہ گاہ میں بڑے آدمی کے آنے سے یہ ہوتا ہے، اسی ہزاروں کے شوروغغب میں یہ نعرہ لگا جس پر کسی نے کوئی خاص نوٹس بھی نہیں لیا، کیوں کہ سبھوں کی توجہ وزیر اعظم کی طرف تھی۔

دوسری بار وزیر اعظم کی تقریر کے دوران اس شخص نے یہی عمل دہرایا، اس بار بھی اس کے دو یا تین ساتھیوں کے علاوہ اس کا نہ کسی نے جواب دیا اور نہ کوئی نوٹس لیا۔ میں اس وقت بحیثیت ناظمِ

اجلاس، اسٹیج پر ہی تھا، جیسے ہی اس شخص نے یہ نعرہ لگایا، صدر بورڈ مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی صاحب نے اشارے سے مجھے اس شخص کو روکنے کے لیے کہا، میں نے فوراً وزیر اعظم کی سیکورٹی پر مامور SPG حرکت میں آئی، چناں چہ دوبارہ اُس شخص نے یہ حرکت نہیں کی۔

غالباً اس نے یہ حرکت ہی اسی لیے کی تھی کہ میڈیا میں یہ سلسلہ اس وقت گرم ہے، بورڈ کے ذمہ داران یا وہاں بیٹھے مسلمان کسی ردِعمل کا مظاہرہ کریں اور پھر یہ پروگرام تخریب کی نذر ہو جائے، مگر اس کے نعرے کو کسی نے توجہ نہ دے کر دانش مندی کا مظاہرہ کیا۔ یہ نعرہ اگر مسلمانوں کی جانب سے لگا ہوتا، مندوبین میں سے کسی نے لگایا ہوتا، یا اسٹیج سے لگتا تو یقیناً اس پر توجہ دی جاتی، ہزاروں کی بھیڑ میں ایک سر پھرے کی حرکت پر ردِعمل کیسا؟

ہمارے وہ کرم فرما، جو خردبین کے ذریعے صوفی فورم پر نظر رکھے ہوئے تھے، ایسا لگا کہ اُن کے ہاتھوں بٹیر لگ گئی ہے، اُنہیں اور کچھ کہنے کو ملا نہیں، تو اسی مسئلے کو ایشو بنا کر چھچھورپن پر اتر آئے۔ سوشل میڈیا اور اپنی تحریروں میں اس نعرے کو اس طرح پیش کرنے لگے اور عام مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے ایسا تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا کسی منصوبے کے تحت بورڈ کے ذمہ داران، مندوبین اور شریک ہونے والے مسلمانوں کی جانب سے باقاعدہ اس نعرے کو لگایا گیا ہے اور یہ بھی پروگرام کا باضابطہ حصہ تھا، مگر اس طرح کے پروپیگنڈوں سے حقیقت چھپتی نہیں ہے، کیوں کہ ہزاروں لوگ اس بات کے گواہ ہیں۔

متحدہ قومیت پر ہنگامہ، چہ معنی؟

''ورلڈ صوفی فورم'' کے اس آخری اجلاس ''انٹرنیشنل صوفی کانفرنس'' میں ''آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ'' کی جانب سے فورم کا ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا، جس کو صدر بورڈ مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی نے پڑھ کر سنایا۔ یہ اعلامیہ 25 نکات پر مشتمل ہے، جس میں دہشت و وحشت کی لعنت سے دنیا کو محفوظ رکھنے اور تصوف کے احیا اور صوفیہ کے پیغامِ امن و انسانیت کے فروغ کا عزم ہے۔

انتہا پسندوں کی سازش سے دور، رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ محبت و انسانیت کو رول ماڈل بنانے کی مسلم نوجوانوں سے اپیل ہے۔ اپنے ہم وطنوں اور ملک کے تمام مذاہب و مسالک سے

صوفیہ کی قائم کردہ گنگا جمنی تہذیب کے فروغ اور معاشرتی رواداری کو عام کرنے کی گزارش ہے۔ فرقہ پرستی اور دہشت گردی کی ہر شکل کی مذمت اور اپنی برأت کا اعلان ہے۔ تعلیماتِ تصوف اور صوفی کلچر کے فروغ کے لیے حکومت سے مطالبات ہیں۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت کچھ۔

تاہم ہمارے بزرگ کرم فرما اور بریلوی جماعت کے مقتدر عالمِ دین مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی نگاہ، اعلامیہ کی مذکورہ تمام خوبیوں اور دفعات سے اُڑتی ہوئی اعلامیہ کی تیسری دفعہ کے ایک لفظ ''متحدہ قومیت'' پر جا کر ٹک گئی اور پھر اُنہوں نے حسبِ سابق اُس کو بنیاد بنا کر ''ورلڈ صوفی فورم'' پر ایک بار پھر کرم فرمایا، اور اہلِ سنت کے علما اور عوام کو اپنا ہم فکر و خیال بنانے کے لیے ظن و تخمین کی بنیاد پر اُس لفظ کی جو تشریح و تعبیر فرمائی وہ، ورلڈ صوفی فورم سے وابستہ کسی بھی فرد کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئی۔ متحدہ قومیت کے حوالے سے مصباحی صاحب کا جو مضمون شائع ہوا ہے، اُس میں فرماتے ہیں:

''متحدہ قومیت کا یہ نظریہ، فرقہ پرست و مسلم دشمن تنظیم آر ایس ایس کا مشہور زمانہ نسل پرستانہ نظریہ ہے، جس کے مطابق بھارت کی اصلی قوم ہندو اور صرف ہندو ہے''

مزید فرماتے ہیں:

''ساورکر اور گولوالکر کے نظریات اور کوششوں کا ہدف ''ہندو راشٹر'' کا قیام ہے، جس کی بنیاد متحدہ قومیت یعنی ہندو قوم ہے، ہندوستانی قومیت، ہندو قومیت، متحدہ قومیت، یہ سب ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں''۔

اور پھر حسبِ معمول اپنے ظن و تخمین کی بنیاد پر عوام و خواص کی یہ بتانے کی کوشش کی کہ اعلامیہ میں یہ دفعہ آر ایس ایس کے اشارے پر شامل کی گئی ہے۔ مصباحی صاحب کے اس فن کارانہ تفرد و خیال کی تعبیر کے لیے مجھے ایسا کوئی مہذب لفظ نہیں مل پا رہا ہے، جس سے اُن کی توقیر بھی سلامت رہے، پندارِ نفس کو ٹھیس بھی نہ پہنچے اور اُن کی اس نازک خیالی کی زیریں لہروں کا اصل مقصد و عزم بھی اُجاگر ہو جائے۔ بہرحال اس متحدہ قومیت کا اصل مفہوم اور اس کی تاریخی حیثیت کی وضاحت سے پہلے اعلامیہ کی وہ تیسری دفعہ ملاحظہ ہو، جس میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے''۔

"ہم ہندوستان کی سالمیت کے تحفظ کے لیے متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے فرقہ پرستی کی ہر قوت کی مذمت کرتے ہیں اور اس معاملے میں ہر سازش سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں، جو لوگ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کے بیج بو رہے ہیں وہ ہندوستان کی سالمیت کے لیے خطرہ ہیں، ایسے لوگوں کو بلاتفریقِ مذہب وملت، کیفرِ کردار تک پہنچایا جانا چاہیے"۔

متحدہ قومیت کی تحقیق وتوضیح

"متحدہ قومیت دراصل دوقومی نظریہ(two nation theory) کے بالمقابل ایک قومی نظریہ(one nation theory) کا ایک نظریہ ہے، جس کی بنیاد پر ہندوستان کی تشکیل عمل میں آئی اور پھر آئینِ ہند مرتب کیا گیا، جس کے مطابق دستورِ ہند، ہندوستان میں بسنے والے تمام مذاہب، ثقافت اور زبان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو مساوی حیثیت دیتا ہے اور یہ سب لوگ ہندوستان کے فروغ اور تحفظ میں برابر کے شریک ہیں۔ یہی متحدہ قومیت یا گنگا جمنی تہذیب (composite culture) ہمارے ملک اور دستور کی روح ہے۔

اس کے بالمقابل دوقومی نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا۔ آزادی سے پہلے جب کہ حکومت انگریزوں کی تھی اور ہندوستانی جمہوریت، نیشنل ازم، ہندوستانی متحدہ قومیت اور سیکولر دستور کی بالادستی نہیں ہوسکی تھی، ان مخصوص حالات میں میں سیاسی لیڈران اور علما کا ایک طبقہ، دوقومی نظریہ کا بھی حامی تھا، سیاسی سطح پر اس نظریے کی قیادت محمد علی جناح کر رہے تھے اور اُس کے بالمقابل نظریۂ متحدہ قومیت کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی، اس حوالے سے سیاسی لیڈران اور علما کے درمیان تحریری اور سیاسی معرکے بھی رہے۔

آزادی سے قبل آر ایس ایس (RSS) کی شکل میں شدت پسند ہندوؤں کا ایک طبقہ مذکورہ دونوں نظریات کا مخالف اور صرف ہندو قومیت کا حامی تھا، جس کے مطابق مستقبل کے ہندوستان کی تشکیل، ہندو تہذیب وثقافت اور قدیم آریائی نظریات پر ہوئی تھی، جس میں دیگر مذاہب والوں کو ہندو سنسکرتی کی بالادستی کو قبول کرنا تھا یا اُس میں ضم ہو جانا تھا، اسی نظریے اور

خواب پر آر ایس ایس کی تشکیل ہوئی تھی، تقریباً نوے سال گزر جانے کے باوجود اُن کا یہ خواب تشنۂ تعبیر ہے۔ ہندوستانی جمہوریت، ہندوستانی نیشنل ازم اور متحدہ قومیت کی بالادستی کے بعد ایسا فکر وخیال، انشاء اللہ کل بھی ایک خواب ہی رہے گا۔ ہم مسلمان ہونے اور ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے بھی افکار کی مذمت کرتے ہیں جو اسلام اور جمہوریت دونوں کی روح کے مخالف ہوں۔

اس کے ساتھ ہمیں بھی اس بات کا بخوبی احساس ہونا چاہیے کہ ہم نہ تو سعودی عرب میں ہیں اور نہ پاکستان میں کہ کھلے بندوں جمہوریت اور ہندوستانی نیشنل ازم کی مخالفت اور بالواسطہ دوقومی نظریے کی تائید وتوثیق کریں، جو کھلے طور پر دستورِ ہند کی مخالفت اور ہندوستان سے بغاوت ہے۔ آج کے ہندوستان میں جو لوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے بالمقابل دوقومی نظریے کا سبق پڑھا رہے ہیں، اُنھیں ہندوستانی عدلیہ کے سامنے جواب دہ رہنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

مسلمان ہمیشہ وطن کا محبّ اور اپنے وعدے کا پابند رہا ہے اور اس نظام کا موید رہا ہے جو اس کے لیے معاصر حالات میں ممکن ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک منظر میثاقِ مدینہ کا بھی ہے جس کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی ہے: اِن المسلمین مع الیھود، اُمۃ واحدۃ (یہود اور مسلمان ایک قوم ہیں)۔ یعنی اگر کوئی بیرونی طاقت مدینے پر حملہ آور ہوتی ہے تو ہم سب ایک قوم کی طرح مل کر مدینے کی سالمیت کے تحفظ کے لیے مقابلہ کریں گے۔

اعلامیہ کی دفع ومقصودِ دفع

صوفی فورم کے اعلامیہ میں بھی اِسی خیال کے پیشِ نظر کہا گیا ہے کہ: "ہم ہندوستان کی سالمیت کے تحفظ کے لیے متحدہ قومیت کی تائید وتوثیق کرتے ہیں۔ اس دفعہ میں متحدہ قومیت کی توثیق، ہندوستان کی سالمیت کے تحفظ سے مربوط ہے، نہ کہ آر ایس ایس کے متشددانہ ہندو نظریات سے۔

مزید برآں، اعلامیہ کی اسی دفعہ کو قارئین دو بار پڑھیں اور بار بار پڑھیں، عبارت کے سیاق وسباق سے یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہو جائے گی کہ خود یہ دفعہ کلی طور پر آر ایس ایس کے متشددانہ نظریات وافکار کی تردید پر مبنی ہے، بھلا کوئی بتائے کہ ہندوستان کی سالمیت کا تحفظ، فرقہ پرستی کی ہر قوت کی مذمت، اس معاملے میں ہر سازش سے اپنی برأت کا اظہار، جو لوگ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کے بیج بو رہے ہیں، وہ ہندوستان کی سالمیت کے لیے خطرہ ہیں، ایسے لوگوں کو بلا تفریق مذہب وملت، کیفرِ کردار تک پہنچانا جانا چاہیئے۔

کیا اس دفعہ کے یہ تمام الفاظ وتعبیرات کھلے طور پر آر ایس ایس اور فرقہ پرستوں کی کھلی مذمت نہیں کر رہے ہیں؟ افسوس کہ اعلامیہ کی جو دفعہ آر ایس ایس کے نظریے ورویے کی تردید ومذمت کے لیے لکھی گئی، مصباحی صاحب نے اسے کمالِ ہنرمندی سے آر ایس ایس نوازی اور ہندوقومیت کی تائید وتوثیق کا رنگ دے دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک دوسرا منظر، فتحِ مکہ کے بعد کا وہ نقشہ پیش کرتا ہے جس میں مسلمانوں کو وہ نظامِ حکومت تشکیل پایا، جو خالص اسلام پر مبنی تھا اور جس کا عملی اقتدار بلاشرکتِ غیرے، صرف مسلمانوں کو حاصل تھا۔ آج پوری دنیا میں وہابی لابی اپنی حماقت مآبی کے سبب قیامِ خلافت کا نعرہ بلند کر رہی ہے اور اس کے لیے انسانی خون کی ندیاں بہانے سے بھی گریز نہیں کر رہی ہے، وہ ہندوستان اور امریکہ جیسے ممالک میں بھی خلافتِ اسلامیہ قائم کرنا چاہتی ہے، ایسی کوششوں سے خلافتِ اسلامیہ تو قائم نہیں ہو رہی ہے، البتہ ہزاروں مسلم نوجوانوں کے ذہن ودماغ میں تشدد کے جراثیم پیدا ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کے اردگرد شکوک وشبہات کا ہالہ بڑھتا جا رہا ہے اور زندگی کا حصار تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

ورلڈ صوفی فورم کے مقاصد میں ایک اہم مقصد دہشت گردی کی مذمت اور اُن افکار کی تردید بھی تھی، جن کی وجہ سے مسلم نوجوانوں میں تشدد کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی وطن دوستی مشکوک ہوتی ہے، اس لیے واضح طور پر صوفی فورم کے اعلامیہ میں متحدہ قومیت اور ہندوستانی نیشنل ازم کی تائید وتوثیق کی گئی تھی، جو دستورِ ہند کی روح بھی ہے۔ اب اگر کسی کو

ہندوستانی نیشنل ازم یا متحدہ قومیت سے اختلاف ہے اور وہ ہندوستان میں پھر سے دوقومی نظریے کا ہنگامہ کھڑا کرنا چاہتا ہے، تو یہ اُس کا ذاتی حق ہے، تاہم ہندوستان کے آئین کے سامنے وہ جواب دہ ضرور ہے۔

البتہ متحدہ قومیت کو آر ایس ایس کے نظریۂ ہندوقومیت کے مترادف قرار دینا، الفاظ ومعانی کا خون اور کھلے عام مسلمانوں کو ورغلانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ تحریر لکھنے سے قبل ہم نے ہندوستان کے بہت سے دانش وروں سے بات کی، مگر کوئی بھی مصباحی صاحب کی اس نازک خیالی سے متفق نہیں ہوسکا۔ طوالت اور صحافت کی تنگی کے پیشِ نظر اُن دانش وروں کے خیالات فی الحال ہم شائع نہیں کر پا رہے ہیں۔

پھر یہ بھی بڑی حیرت کی بات ہے کہ سیاسی سطح پر آزادیِ ہند سے قبل جس نظریۂ متحدہ قومیت کی مضبوطی اور موثر قیادت گاندھی جی کر رہے تھے، اگر یہ نظریہ یا اس کا مترادف آر ایس ایس کی ہندوقومیت تھا، یا ہے تو پھر آر ایس ایس نے گاندھی جی کو، گولی کیوں ماردی؟ آر ایس ایس کو تو اُن کی حفاظت کر کے اپنے نظریاتی وینٹی لیٹر پر برسوں زندہ رکھنا چاہیے تھا کہ جس نظریے کی بنیاد پر وہ ایک نئے ہندوستان کی تعمیر کرنا چاہتے تھے، گاندھی جی اُسی کی قیادت کر رہے تھے۔

فرضی اتہام کی جھوٹی بنیاد

محبِ محترم مولانا ذیشان احمد مصباحی ہمارے ساتھ صوفی فورم کے اعلامیہ کی تحریر وترتیب میں شامل تھے، اُنہوں نے معروف صحافی جناب احمد جاوید (ریزیڈینٹ ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، پٹنہ) کے حوالے سے بتایا کہ جاوید صاحب نے جب اس مسئلے پر مصباحی صاحب کو فون کیا اور متحدہ قومیت کے حوالے سے اُن کے مذکورہ خیال سے اپنا اختلاف واحتجاج درج کرایا، تو اُس پر مصباحی صاحب نے جو کچھ کہا، وہ میرے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ مصباحی صاحب فرماتے ہیں:

''صوفی کانفرنس کے دفتر میں کام کرنے والے نوجوانوں میں سے ایک معتبر شخص نے بتایا کہ اعلامیہ میں یہ دفعہ آر ایس ایس کے کہنے سے بڑھائی گئی ہے۔ یہ بات اُوپر سے آ گئی تھی، اس لیے متحدہ

قومیت کا مفہوم یہاں پر وہی ہے جس طرح کی قومیت کی بات آر ایس ایس کرتی ہے''۔

مصباحی صاحب کی مذکورہ بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ بار بار فورم کے ذمہ داران سے پانچ نکاتی سوالات کے جوابات کا تقاضا کر رہے ہیں، اُن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ: ''آر ایس ایس کا بنیادی نظریۂ متحدہ قومیت (یعنی ہندو قومیت) اعلامیہ میں کیسے شامل ہوا؟''۔

افسوس صد افسوس! اعلامیہ ہم نے تیار کیا تھا اور ورلڈ صوفی فورم کے اغراض و مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے دستورِ ہند کی روح کے مطابق یہ دفعہ ہم نے اپنی مرضی سے لکھی تھی، اللہ شاہد ہے کہ اُسے لکھنے سے پہلے نہ کسی نے یہ نکتہ دیا تھا اور نہ لکھنے کے بعد بطورِ خاص کسی نے اس کی تائید و تحسین کی۔ متحدہ قومیت لکھتے وقت ذہن میں وہی مفہوم تھا جو مذکور ہوا، لیکن حضرت مصباحی صاحب نے اس تعلق سے جو معلومات فراہم کی وہ خود میرے ذہن و دماغ کے لیے اضافہ ہے۔

مولانا نے یہ بات کسی مجہول، معتبر نوجوان کے حوالے سے کہی ہے، اب جو اعلامیہ لکھنے والے کی لیے نئی ہو، اس کے راوی کتنے مضبوط و مستحکم ہوں گے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ مصباحی صاحب کی اس پوری خیالی اور جدالی تحریروں میں مزاحیہ نگاروں کے خیالی کیریکٹروں لاغر مرادآبادی اور لق لق دہلوی کی طرح ہی ایک مجہول ''معتبر راوی'' ہوتا ہے جس کے سہارے وہ اپنے انشائیے کو دلچسپ بناتے ہیں۔ مجہول راوی کا سہارا لے کر مصباحی صاحب نے جو کچھ کہا ہے، وہ نہ صرف کردار کشی کے مترادف ہے بلکہ کسی کے ایمان و عقیدے پر بلا ثبوتِ شرعی، کفر و ضلالت کے بہتان سے کم نہیں۔

دوسرا فرضی اتہام-دوسری جھوٹی بنیاد

قارئین کو یاد ہوگا کہ چند دنوں قبل مصباحی صاحب نے اسی طرح کسی مجہول ''ثقہ راوی'' پر اعتماد کرتے ہوئے کرناٹک کے جید عالمِ دین اور شیخ طریقت مولانا سید تنویر ہاشمی (زیبِ سجادہ خانقاہ ہاشمی، درگاہ ہاشم پیر، بیجاپور کرناٹک) پر بغضِ معاویہ کا الزام عائد کیا۔ جب ہم نے مصباحی صاحب سے ایک ٹیلی فونک گفتگو میں براہِ راست بات کی اور بتایا کہ مولانا سید

تنویر ہاشمی آپ کے اس الزام سے کبیدہ خاطر ہیں اور اسے اپنے اوپر بہتان کہا ہے، تو مصباحی صاحب نے کمالِ استغنا سے فرمایا: ''ٹھیک ہے، تنویر ہاشمی صاحب اپنا بیان چھپوا دیں، میں رجوع کر لوں گا''۔

خود را فضیحت، دیگراں را نصیحت

کسی کے دین و ایمان پر سوالیہ نشان، وہ بھی کسی مجہول راوی کی بنیاد پر متعلقہ شخص سے رابطہ کیے بغیر، کم از کم ہم جیسے طالبِ علم، مصباحی صاحب جیسے عالم سے توقع نہیں رکھتے، کیوں کہ جب اسی طرح کی باتیں خود اُن کے متعلق لوگ کہہ اور لکھ رہے تھے، تو اُنھوں نے اپنی کتاب ''عرفانِ مذہب ومسلک'' میں نہایت سنجیدگی سے یہ اصول لکھا:

''حیرت ہے کہ بعض ذمے دار سمجھے جانے والے افراد بھی کسی سنی فرد یا تنظیم یا ادارے کے تعلق سے کوئی شرعی بہتان سن کر اُس پر یقین کر بیٹھتے ہیں اور کسی تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، نہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ بیان کرنے والا شخص کون اور کیسا ہے، نہ ہی اس پر نگاہ رکھتے ہیں کہ جس سے متعلق یہ بات کہی جا رہی ہے وہ کون، کسی معیار کا ہے، نہ اس پر غور کرتے ہیں کہ اُس کے مزاج و معیار سے کتنی فروتر یہ بات ہے جس کا صدور اُس سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نہ اس مسئلے کی طرف توجہ ہی دیتے ہیں کہ کسی سنی کی طرف تحقیق و ثبوت کے بغیر نسبتِ کفر و ضلال کرنا بلکہ نسبتِ گناہِ کبیرہ بھی کرنا سخت گناہ اور ناجائز حرام ہے۔

جب کہ آج کل کہیں سے بھی کوئی رابطہ کر کے کسی معاملے یا واقعے کی تحقیق و تفتیش نہایت آسان کام ہے۔ تقریباً ہر شخص کے پاس موبائل موجود ہے، اس سے منٹوں منٹ میں گفتگو کی جا سکتی ہے۔ قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ صاحبِ معاملہ سے براہِ راست تحقیق کر کے اُس کے متعلق کوئی رائے قائم کی جانی چاہیے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کا عمل ہے تو وہ اپنے اس طرزِ عمل سے خود اپنی شخصیت و وقار کو مجروح کر رہا ہے اور اپنے وقار و اعتماد کو خاک میں ملا رہا ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کے حکم و ارشاد کو اپنے عمل کے ذریعے صراحتاً مسترد کر رہا ہے''۔ (عرفانِ مذہب و مسلک: ص 18-19)

مصباحی صاحب سے مودبانہ گزارش ہے کہ ورلڈ صوفی فورم، اُس کے ذمے داران، شریک ہونے والے علما ومشائخ، اعلامیہ کے مرتبین اور مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب پر آپ نے جو مجہول راویوں، مفروضات اور ظن وتخمین کے ذریعے بھاجپانوازی، آر ایس ایس نوازی، بغضِ معاویہ اور نہ جانے کیا کیا الزامات عائد کیے ہیں، اپنی اس تحریر کی روشنی میں سنجیدگی سے غور فرمائیں۔ دہلی میں بورڈ کے ذمے داران موجود ہیں، آپ اگر واقعی دین وملت کے لیے مخلص ہیں، تو اُن سے براہِ راست گفتگو کر کے معاملے کا تصفیہ کرنا چاہیے۔ قلمی معرکہ آرائی سے اس طرح کے مسائل حل نہیں ہوتے۔

صدرِ بورڈ نے کانفرنس سے پہلے بھی آپ کو گفتگو کی دعوت دی تھی اور آج بھی وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ اہلِ سنت کے درمیان مذاکرات کے ذریعے معاملات کا حل ہونا چاہیے۔ نئی نسل کے نوجوان علما اور اہلِ قلم کے لیے مصباحی صاحب کی حیثیت علمی وفکری امور میں ایک قائد ورہنما کی رہی ہے۔ ان کی یہ حیثیت چند برسوں سے بری طرح مجروح ہو رہی ہے، اس لیے ان سے عجز ونیاز جن نوجوان علما کا شیوہ تھا، وہ لوگ اُن کے دامن پر حریفانہ ہاتھ ڈالنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ حضرت مصباحی صاحب کے ساتھ یہ عمل خود میرے لیے ذاتی طور پر بہت تکلیف کا باعث ہے۔

مخالفت کا ایسا جنون!

خلاصہ یہ کہ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں ورلڈ صوفی فورم/صوفی سیمینار/صوفی کانفرنس کے نام سے اہلِ سنت کی یہ پہلی عظیم صوفیانہ کوشش تھی جس کی شہرت اور مقبولیت نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے اور بلاشبہ اس شہرت ومقبولیت کے پسِ پشت، چند مثبت اسباب تھے۔ مگر اِس کے ساتھ سب سے اہم سبب اُن عادی مخالفت کرنے والوں کا گروہ تھا، جس نے اُس صوفی فورم/سیمینار/کانفرنس کی مخالفت میں اپنی راتوں کی نیند حرام کر لی تھی، مخالفت وعداوت کا ایسا جنون ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، اتنی محنت اور فیلڈنگ اگر وہ کسی اچھے کام کے لیے کر لیتے تو آج اُنہیں یہ دن نہیں دیکھنے پڑتے۔ یہ اس بین الاقوامی ایوینٹ کی بے مثال شہرت، تاریخی مقبولیت اور کامیابی ہی تو ہے کہ ایوینٹ ختم ہوئے آج

ایک مہینہ گزر گیا ہے، مگر ابھی بھی وہ اس کی کامیابی کے صدمے سے باہر نہیں نکل پائے ہیں۔

کسی بھی تحریک، تنظیم، ادارے، مشن، کانفرنس اور شخصیات کے ساتھ سب کا اتفاق ہو جائے، یہ ضروری نہیں ہے۔ مگر یہ عدمِ اتفاق اگر جنون اور ہذیان کی کیفیت اختیار کر لے تو سمجھ لیں کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے، بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔ بہر حال اُن کے اس جنون کا بورڈ کے صدرِ محترم نے صوفی کانفرنس کی شہ نشین سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے سامنے شکریہ ادا کیا تھا، ہم یہاں ایک بار پھر، بھرپور بورڈ کی جانب سے کانفرنس کی تاریخی کامیابی پر اپنوں کے ساتھ اُن کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، کیوں کہ ورلڈ صوفی فورم کو کامیاب بنانے میں وہ بھی برابر کے حصے دار ہیں۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی کی گھر واپسی

مولانا سید تنویر ہاشمی پر بغضِ معاویہ کے اتہام کے تناظر میں

ناظم اشرف مصباحی

جامعہ ہاشم پیر، بیجاپور، کرناٹک

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی بانی دارالقلم دہلی کی آج (14 اپریل 2016) ایک تحریر، مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری کے خلاف نظر سے گزری۔ تحریر کے مندرجات اور اندازِ گفتگو کو دیکھا تو یقین نہیں آیا کہ کیا وہی مولانا یٰسین اختر مصباحی ہیں جن کی اعتدال اور صلح پسندی کے قائل پروفیسر اختر الواسع جیسے دانش ور اور دہلی کے مختلف مسالک کے نمائندگان بھی ہیں جن کی معتدل اور سنجیدہ تحریریں اہلِ سنت کے رسائل و جرائد کے ساتھ جماعت اسلامی اور دیگر جماعتوں کے رسالوں میں بھی چھپتی رہی ہیں۔

اس لیے کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے میں نے ضروری سمجھا کہ حضرت سے بات کر لی جائے، فون پر گفتگو ہوئی تو حضرت موصوف کی باتیں سن کر افسوس ہوا کہ اہل سنت و جماعت کے ایک معتمد، سنجیدہ، دیانت دار اور علمی واصولی گفتگو کرنے والا مفکر بھی حالات کی نظر ہو گیا۔

صلح کلیت سے حشمتیت کی طرف

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں بریلوی متشددین کی جانب سے حضرت مصباحی صاحب کو صلح کلیت، فتنہ پروری اور گم راہیت کے جن القابات سے نوازا گیا، اُس کے بعد حضرت اپنے معتدل رویے پر نظر ثانی کے لیے مجبور ہی نہیں ہوئے ہیں، بلکہ اپنے سابقہ

گناہوں کے پرائشچت کے لیے تیار ہیں، نتیجے کے طور پر انہوں نے اپنے موضوعات اور طرز تحریر دونوں کو بدل لیا ہے۔ دہلی کی وسعتِ فکری سے تائب ہو چکے ہیں اور پیلی بھیت کا اندازِ رد وابطال اختیار کر لیا ہے۔

مصباحی صاحب کی جانب سے تحویلِ قبلہ کا آغاز اُس وقت ہوا جب اُنہوں نے پہلی بار بغیر کسی ''حوالے'' اور ''شرعی شہادت'' کے صرف ''سنی سنائی روایات'' اور اپنی ''مستقبل شناس بصیرت'' پر بھروسا کرتے ہوئے اسلام وتصوف کے عالمی مبلغ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری پر کفر وضلالت کے اتہامات لگائے اور شرعی ثبوت کے جو تقاضے ہیں، اُن کا خون کرتے ہوئے اپنے وضع کردہ اُن معیاروں کو بھی فراموش کر گئے جنہیں اپنے اوپر لگائے گئے صلح کلیت اور گم راہیت کے الزامات کو دھونے کے لیے وضع کیا تھا۔ غالباً مصباحی صاحب کو یہ امید رہی ہوگی کہ اس کے بعد فوراً بریلی شریف سے میری ''متصلب سنیت'' کی سند حضور تاج الشریعہ کے مہر و دستخط کے ساتھ روانہ کر دی جائے گی، مگر........ع

ہاتھ آیا نہ کچھ ناکامی وحسرت کے سوا

صوفی کانفرنس کی مخالفت سے منزل طلبی

آزاد ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کا اعلان جب آل انڈیا علما ومشائخ بورڈ نے کیا تو پوری جماعت اہل سنت اور محبین تصوف اور صوفیہ میں مسرتوں کی لہر دوڑ پڑی، لیکن یہ اعلان دو طبقات کے لیے نوید جاں فزا کے بجائے موت کی خبر ثابت ہوئی، ایک وہابیہ جو گذشتہ پچاس سالوں میں تنہا ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کا دم بھر رہے ہیں۔

اور دوسرے متشدد بریلویہ جن کے چند گروگھنٹال تنہا اسلام اور سنیت کے ٹھیکے دار بنے ہوئے ہیں۔ جو علامہ مصباحی صاحب کے لفظوں میں ''جھنڈا بردارِ مسلکِ اعلی حضرت'' ہیں، جن کے خلاف مصباحی صاحب گذشتہ تیس پینتیس سالوں سے سرد جنگ چھیڑے ہوئے ہیں۔ مصباحی صاحب کی

فطرت اور مزاج و منہاج سے امید یہ تھی کہ وہ صوفی کانفرنس کا ساتھ دیں گے، اسی لیے بورڈ نے اپنے نمائندے اُن کے پاس بھیجے، لیکن مصباحی صاحب کے لیے سخت مشکل یہ تھی کہ: ''ایک طرف اُس کا گھر، ایک طرف میکدہ''۔

'نہ شرکت کروں گا، نہ مخالفت'

چناں چہ مصباحی صاحب نے نمائندے کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نہ شرکت کروں گا اور نہ ہی اُس کی مخالفت کروں گا، لیکن پھر جلدی ہی اُن کو موقع کی قیمت کا ادراک ہو گیا اور آناً فاناً اپنے سابقہ گناہوں سے پرائشچت کے لیے اُس قیمتی موقع کا استعمال شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا، کانفرنس کی پہلے زبانی مخالفت شروع کر دی، پھر فون کر کے مندوبین کو ورغلانا شروع کیا اور جب اُس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تو صوفی کانفرنس کے خلاف نہایت مخلصانہ یا محبوبانہ جذبے سے سرشار ہو کر ''قلمی جہاد'' چھیڑ دیا، جس کی توقع اُن کی ذات سے نہ صرف سنجیدہ افراد کو نہیں، بلکہ غیر سنجیدہ افراد کو بھی نہیں تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ممبئی کے بعض دلالوں نے اُن پیٹھ تھپتھپائی، لیکن اس کے باوجود اب تک حضرت مصباحی صاحب کی کوئی امید بر نہیں آئی، کوئی صورت نہیں، اُن پر صلح کلیت، گم راہی اور گم راہ گری کے الزامات ہنوز بدستور قائم ہیں

حضور تاج الشریعہ اور محدث کبیر کی طرف سے اب تک اُن کی حوصلہ افزائی بھی نہیں ہوئی، جن کے خلاف مصباحی صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے چند الفاظ اب ات ان کا تعاقب کر رہے ہیں، نہ مشائخِ مارہرہ نے اِس ''خدمتِ سنیت'' پر اُن کی پیٹھ تھپتھپائی۔ ہاں! مصباحی صاحب اپنی اُن ''خدمات جلیلہ'' پر جب تنہائی میں غور کرتے ہوں گے، تو بشرطے کہ ضمیر سے ملامت کی آواز سنائی دیتی ہو، کیفِ خود کلامی میں یہ اشعار ضرور گنگناتے ہوں گے:

کوہ کن، نہ کوہ میں، نہ قیس تھا بن میں شریک
کوئی بھی نہ ہوسکا مرے عشق کے فن میں شریک

یا پھر یہ کہ:

قیس و فرہاد پر نہیں موقوف
عشق لاتا ہے مردِ کار ہنوز

لیکن ہم مولانا کو کیسے بتائیں جو حضرتِ میر سب کو بتا گئے ہیں، کہ:

کیا سنی تم نہیں، بدحالیِ فرہاد و قیس
کون سا ''بیمار دل'' کا آج تک بہتر ہوا

بغضِ معاویہ کا اتہام

حضرت مصباحی صاحب قبلہ گذشتہ چند سالوں میں بریلی کی مرکزیت کے خلاف اور اب اُس کی بحالی کے لیے جس انداز میں کوشاں ہیں، اُسے دیکھتے ہوئے اُن کے سبھی خیر خواہ اُن کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں۔ اُن کی عمر کو دیکھتے ہوئے اکثر اب اُن کی اصلاح سے مایوس ہو چکے ہیں، تو بعض رضویات کی بے پنا نظر سے گزرا۔ مصباحی صاحب قبلہ نے اپنی ''شرافت وسنجیدگی'' کی انتہا کر دی ہے۔

دیگر اتہامات اور معنی آفرینیوں کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ ایک ''مجہول ثقہ'' پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت سید صاحب قبلہ کے اوپر مبہم طور پر گستاخیِ صحابہ اور شیعیت کا الزام لگا دیا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

غیر سنجیدہ لب ولہجہ

قارئین! سب سے پہلے حضرت کی بدگمانی اور الزام تراشی پر مبنی چند جملے پڑھیے اور تعجب کیجیے کہ یہ اُنہیں حضرت کے جملے ہیں جو دوسروں کو ہمیشہ سنجیدگی، تحقیق اور اخلاقیات کا درس دیتے نہیں تھکتے:

(1) جوابی خطاب میں درحقیقت اپنے دل کا غبار اور بخار نکالا گیا ہے۔ (ص 13)

(2) اسٹیج نشیں حضرات کی اچھی خاصی تعداد بخار زدہ ہے۔ (ص 13)۔

(3) ایسی صورت میں اگر اُن (سید تنویر ہاشمی) کے دل میں مولانا احمد رضا بریلوی کی طرف سے کچھ غبار اور بخار ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (ص 13)

(4) مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری نے نہ جانے کس جوش و ہوش میں وہ بات کہہ گئے جسے ادنی درجے کا کوئی مولوی بھی نہیں کہہ سکتا۔ (ص 12)

(5) مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری کو اپنی دینی معلومات کا قبلہ درست رکھنا چاہیے۔ (ص 13)

(6) کسی اسلامی اسکالر کا یہ جواب ہے یا کسی سرکاری درباری مولوی کا یہ جواب ہے؟ (ص 12)

(7) واضح وصریح مطلب ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔ (ص 12)

یہ وہ الفاظ اور لہجہ ہے جو حضرت کے سابقہ مزاج کے برخلاف ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں، آگے چل کر حضرت نے جو گل کھلایا ہے اُسے دیکھ کر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ نوجوان علما کی ایک بڑی تعداد حضرت کو فکری رہ نما مانتی ہے اُن شاہین صفت نوجوانوں کو کیا سبق ملے گا؟

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

حضرت موصوف اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''مولانا ثاقب شامی اور مولانا سید تنویر ہاشمی سے میرا کوئی رابطہ و تعلق نہیں، نہ ہی اُن سے کسی کے بارے میں مجھے کچھ معلوم ہے۔ البتہ ابھی چند روز پیش تر ایک ثقہ آدمی نے بڑی ذمے داری کے ساتھ مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری کے بارے میں مجھے بتایا کہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری کے دل میں کچھ غبار اور بخار ہے اور اسی سلسلے میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن (آندھرا پردیش) سے بھی اُن اختلاف ہے۔ (ص 3)

اپنے اصول کی روشنی میں

اس پر کچھ تبصرہ کیے بغیر قارئین کے سامنے حضرت مصباحی صاحب ہی کی ایک اصولی تحریر پیش کرتا ہوں، اُسی سے مندرجۂ بالا تحریر کی حیثیت واضح ہو جائے گی۔

حضرت علامہ صاحب ''عرفانِ مذہب و مسلک'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حیرت ہے کہ بعض ذمے دار سمجھے جانے والے افراد بھی کسی سنی فرد یا تنظیم یا ادارے کے تعلق سے کوئی شرعی بہتان سن کر اُس پر یقین کر بیٹھتے ہیں اور کسی تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے، نہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ بیان کرنے والا شخص کون اور کیسا ہے، نہ ہی اس پر نگاہ رکھتے ہیں کہ جس سے متعلق یہ بات کہی جا رہی ہے وہ کون، کسی معیار کا ہے، نہ اس پر غور کرتے ہیں کہ اُس کے مزاج و معیار سے کتنی فروتر یہ بات ہے جس کا صدور اُس سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نہ اس مسئلے کی طرف توجہ ہی دیتے ہیں کہ کسی سنی کی طرف تحقیق و ثبوت کے بغیر نسبتِ کفر و ضلال کرنا بلکہ نسبتِ گناہِ کبیرہ بھی کرنا سخت گناہ اور ناجائز حرام ہے۔

جب کہ آج کل کہیں سے بھی کوئی رابطہ کر کے کسی معاملے یا واقعے کی تحقیق و تفتیش نہایت آسان کام ہے۔ تقریباً ہر شخص کے پاس موبائل موجود ہے، اس سے منٹوں منٹ میں گفتگو کی جا سکتی ہے۔ قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ صاحبِ معاملہ سے براہِ راست تحقیق کر کے اُس کے متعلق کوئی رائے قائم کی جانی چاہیے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کا عمل ہے تو وہ اپنے اس طرزِ عمل سے خود اپنی شخصیت و وقار کو مجروح کر رہا ہے اور اپنے وقار و اعتماد کو خاک میں ملا رہا ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کے حکم و ارشاد کو اپنے عمل کے ذریعے صراحتاً مسترد کر رہا ہے''۔ (عرفانِ مذہب و مسلک: ص 18-19)

کوئی موصوف سے پوچھے

اب اس تحریر ہی کی روشنی میں حضرت ہی سے پوچھا جائے کہ حضور علامہ صاحب قبلہ!

(1) آپ نے صرف ایک شخص کے کہنے پر ''شرعی بہتان'' لگا دیا اور آپ کو حیرت بھی نہیں ہوئی؟

(2) آپ نے کسی تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور اُس پر یقین کر بیٹھے؟

(3) بیان کرنے والا شخص کون اور کیسا ہے اُس پر بھی نگاہ نہ رکھی؟

(4) اس پر غور نہیں کیا کہ سید تنویر ہاشمی صاحب کے مزاج و معیار سے یہ بات کتنی فروتر ہے، اس کا صدور اُن سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(5) ایک سنی مسلمان پر تحقیق وثبوت کے بغیر اتنا بڑا الزام لگا دیا اور کچھ سوچا بھی نہیں، کیا یہ ارتکاب حرام نہیں ہے؟۔

(6) بقول آپ کے ''جب آج کل کہیں سے بھی کوئی رابطہ کر کے کسی معاملے یا واقعے کی تحقیق وتفتیش نہایت آسان کام ہے، تقریباً ہر شخص کے پاس موبائل موجود ہے، اُس سے منٹوں منٹ میں گفتگو کی جاسکتی ہے'' تو پھر آپ نے سید صاحب سے ڈائرکٹ بات کیوں نہیں کی؟ کیوں نہیں پوچھ لیا کہ آپ کے متعلق یہ بات پہنچی ہے، کہاں تک درست ہے، کیا ایک شخص کے کہہ دینے سے شرعی ثبوت حاصل ہوجاتا ہے؟۔

(7) جب ''قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ براہِ راست تحقیق کیے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کی جانی چاہیے'' تو آپ نے کیسے قائم کر لی؟ نہ صرف رائے قائم کی بلکہ اُس کی تشہیر بھی کی، ایک ہی مضمون میں کئی بار اُس کا اعادہ کیا، یہ سب کہاں تک درست ہے؟۔

(8) اب آپ ہی بتائیے، آپ نے ان سارے اصولوں کی خلاف ورزی کر کے اپنے فتوے کے مطابق ''خود اپنی شخصیت ووقار کو مجروح کیا یا نہیں؟''۔

(9) اپنے وقار واعتماد کو خاک میں ملایا، یا نہیں؟ بلکہ کتاب وسنت کے حکم وارشاد کو اپنے عمل کے ذریعے صراحتاً مسترد کر دیا، یا نہیں؟

(10) کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ اصول صرف اُس وقت تک valid تھے، جب آپ پر صلح کلیت اور گم راہیت کا چارج لگایا گیا تھا، اب چوں کہ یہی نیک کام دوسروں کے حوالے سے آپ کر رہے ہیں، اس لیے آپ نے اُنہیں invalid کر دیا۔

قارئین پر یہ واضح رہے کہ حضرت مصباحی صاحب کی اس تحریر کے بعد ناچیز نے سید تنویر ہاشمی صاحب سے بالمشافہ گفتگو کی جس کی حضرت تنویر ملت نے تردید کی اور فرمایا کہ:

''یہ مجھ پر بہتان ہے، مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب ہماری جماعت کے ایک بزرگ اور ذمے دار صاحبِ قلم ہیں، اُنہیں بغیر تحقیق کے اس طرح کی بات نہیں کہنا چاہیے تھی، اگر اتنے بڑے بڑے علما اس طرح بغیر تحقیق وتفتیش باتیں کہنے لگیں تو یہ ہماری جماعت کے لیے

نیک فال نہیں ہے''۔

فون پر جو کچھ کہا

علامہ سید تنویر ہاشمی صاحب قبلہ سے گفتگو کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ حضرت مصباحی صاحب قبلہ سے بھی بات کرلوں، تاکہ جو بات کہی ہے اس کے پیچھے ان کے دلائل وشواہد کیسے ہیں، ان کا بھی اندازہ ہوجائے، اسی لیے میں نے مصباحی صاحب قبلہ سے گفتگو کی، لیکن شرعی معاملات میں مصباحی صاحب کی شانِ بے نیازی ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے تعلق سے مایوسیوں میں اضافہ ہی ہوا، اور حضرت قبلہ کے تعلق سے خوش فہمیوں کی جو کہنہ عمارت میرے ذہن میں موجود تھی وہ مکمل طور سے زمیں بوس ہوگئی۔

اب میری طرح اہلِ سنت کے دیگر نوجوانوں بھی حضرت مصباحی صاحب سے اپنی امیدیں توڑ لینی چاہئیں، جو اُنہیں اپنا معتدل، روشن خیال، عالمی فکر ونظر اور مثبت طرزِ کلام کا حامل رہ نما سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ بات دودو چار کی طرح واضح ہوچکی ہے کہ مصباحی صاحب قبلہ نے رضا ورغبت یا خوف وبیم میں آ کر اپنا قبلہ تبدیل کر لیا ہے اور مفکرِ اہل سنت کے بجائے شیرِ رضا، شمشیرِ بریلی اور خلیفۂ تاج الشریعہ جیسے القاب اُنہیں زیادہ عزیز ہوچکے ہیں۔

حضرت مصباحی صاحب نے میرے استفسار کے جواب میں نہایت ڈھٹائی اور لاپروائی سے ارشاد فرمایا:

''ٹھیک ہے، تنویر ہاشمی صاحب کسی ماہ نامہ میں اپنا موقف بیان کر دیں، اُس سے میری تردید ہوجائے گی''۔

واہ! کیا انصاف ہے، اب ہر شخص ایک دوسرے کے خلاف شرعی تقاضے پورا کیے بغیر کچھ بھی بہتان لگاتا رہے اور ہر متہم شخص سنی ماہ ناموں میں ایک عدد مضمون لکھ کر اپنی صفائی دیتا رہے، اُسے خدائی نظام سے ٹکرانے کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ خدائی فوج داری اور دین کی ٹھیکے داری کا یہی وہ نظام ہے جس کے خلاف علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب لڑتے رہے

ہیں، لیکن اچانک یہ کیا ہوا کہ حضرت نے خود ہی اُس گروپ میں شامل ہو کر کوتوال کا عہدہ سنبھال لیا۔

زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
نہ مُڑ کے بھی بے درد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

اسی طرزِ فکر کو جواب دیتے ہوئے سید تنویر ہاشمی صاحب نے فرمایا تھا کہ:

''ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں اہلِ سنت کا سرٹیفکٹ لینے کی کسی سے ضرورت نہیں ہے، آپ ہمیں کلمہ پڑھانے کی کوشش نہ کریں، ہمارے بابا داداؤں نے آپ کے بابا داداؤں کو کلمہ پڑھایا ہے، کسی مولوی یا کسی عالم کی سند یا فتوے کے محتاج نہیں ہیں''۔

بظاہر ان جملوں میں یک گونہ کرختگی ضرور ہے، لیکن مصباحی صاحب جیسے لوگ دین کی ٹھیکے داری کا بیڑا اُٹھالیں اور خود ساختہ طور پر خود خدائی فوج دار سمجھنے لگیں تو زبان پر شکوۂ بیداد آ ہی جاتا ہے اور دل جب غم سے بے قابو ہو جاتا ہے تو بے ساختہ آنکھوں سے اشک چھلک ہی پڑتے ہیں، مگر:

نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا

خود کی سنیت پر تین سو ساٹھ دفعات

تعجب تو یہ ہے کہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کی سنیت پر خود ہی تین سو ساٹھ دفعات لگی ہوئی ہیں۔ خود اُن کی سنیت مشکوک ہے، وہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے باغی ہیں، وہ ندوی، آزاد خیال اور دین بیزار ہیں، صلح کلی اور گم راہ ہیں، نئی نسل کو اندھیرے کی طرف لے جا رہے ہیں، بریلی کے خلاف وہ مبارک پور کو مرکز بنانا چاہتے ہیں، ازہری صاحب کے بالمقابل مفتی نظام الدین کو کھڑا کر رہے ہیں، تاج الشریعہ اور محدثِ کبیر کے گستاخ ہیں، مسلکِ اعلیٰ حضرت سے دل میں بغض رکھتے ہیں

اور اُن کی خدمات کو کم تر ثابت کرنے کے لیے اسلاف شناسی کی تحریک چلا رہے ہیں، جو درحقیقت مسلک بیزاری کی تحریک ہے۔

یہ ساری دفعات اُن پر چارج ہیں، اُنہیں دجالِ وقت تک کہا گیا ہے۔ ابھی اُنہیں ان باتوں سے توبہ کرنی ہے، اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے آگے بڑھ کر خود ہی دو چار لوگوں کو سنیت سے نکال باہر کر دیا، تو بریلی میں اُن کی سنیت تسلیم کر لی جائے، تو یہ اُن کا حسنِ ظن ہے، اپنی سنیت ثابت کرنے کے لیے جب تک اپنے خلاف چارج دفعات سے ایک ایک کر کے تائب نہیں ہوتے ہیں، بریلی سے کسی معافی کی امید نہ رکھیں۔

ہماری ان سے مودبانہ گزارش ہے کہ وہ اپنی حالیہ روش چھوڑ دیں، اگر تحویلِ قبلہ کا قطعی فیصلہ کر ہی لیا ہے، تو بلا تاخیر بریلی پہنچیں اور ''حضور تاج الشریعہ'' کے قدموں میں سجدۂ نیاز لٹاتے ہوئے غیر مشروط طور پر اُن کی مشیخت قبول کر لیں، اپنی دورنگی چال سے وہ کبھی بھی بریلی میں سرخ روئی حاصل نہیں کر سکتے، نہ اُنہیں قطعاً یہ زیب دیتا ہے کہ اپنی گم راہیت کو مٹانے کے لیے اہلِ سنت و جماعت کے دیگر اساطین کو کفر و ضلالت کی بھینٹ چڑھانے کا مذموم فریضہ اپنے سر لے لیں۔

میں نے پہلے بھی فون کیا تھا

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ عرصے پہلے موصوف نے محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفےٰ اعظمی اور تاج الشریعہ ازہری صاحب کے خلاف مورچہ سنبھالا تھا، اُس وقت بھی ناچیز نے فون کر کے کہا تھا کہ حضور! نو جوان علما اور اہلِ علم کی ایک بڑی تعداد آپ کی علمی و تحقیقی نگارشات کی منتظر رہتی ہے، ناچیز اس لائق نہیں کہ آپ کو مشورہ دے، پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ جیسے محقق کا ''جواب اور جواب الجواب'' جیسی منفی چیزوں میں اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا مناسب نہیں ہے، تو حضرت نے جواب عنایت فرمایا تھا کہ: ''اس کی بھی شدید ضرورت ہے''۔ جس کے بعد ایک ہی کتاب، نام اور ضخامت میں قدرے تبدیلی کے ساتھ کئی بار نظر سے گزرتی رہی۔

جھنڈا بردار کون؟

حضرت نے بریلی کے خلاف اپنے ان طویل معرکوں میں متشددین بریلوی حضرات کو ''جھنڈا بردار گروہ'' کا لقب عنایت فرمایا تھا، لیکن موجودہ تحریر کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ حضرت موصوف ان سے بھی بڑے ''جھنڈا بردار'' نکلے۔ یہ دوسروں کو ''جھنڈا بردار'' اُس وقت کہتے ہیں جب اُن پر حملہ ہوتا ہے، لیکن جب دوسروں کی بات آتی ہے تو یہ خود وہی جھنڈا اُٹھائے سب سے آگے نظر آتے ہیں، اُن میں اور اِن میں صرف عمر کا فرق ہے، اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں۔

پوری تحریر کا تجزیہ

حضرت علامہ صاحب قبلہ کا 33 صفحات پر مشتمل مضمون یا کتابچہ بظاہر صوفی کانفرنس کے خلاف اور پیر ثاقب شامی صاحب کی غیر ضروری تقریر کی بے جا مدح وثنا میں ہے، لیکن اس کا تحلیل و جائزہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو صفحے میں ''خود را فضیحت، دیگراں را نصیحت'' کے مطابق اخلاقیات کا درس ہے، پھر ایک صفحے میں پیر ثاقب شامی اور مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری کا تعارت پیش کیا ہے۔ ثاقب شامی صاحب کی تقریر کی تعریق میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔

بہرحال اس کے بعد حضرت نے دونوں تقریروں پر تبصرہ فرمایا ہے، تھوڑا سا بھارت ماتا اور تھوڑا ڈاکٹر طاہر القادری پر اپنا بخار اُتارا ہے، اس کے بعد پوری تحریر میں اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، یعنی اگر دیکھا جائے تو 33 صفحات میں سے صرف سات صفحات میں صوفی کانفرنس اور مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب کے متعلق ہے، باقی کتاب حضور تاج الشریعہ، بریلی اور اعلیٰ حضرت کی مدح وثنا پر مشتمل ہے، ہمیں اعلیٰ حضرت سے تذکرے پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن یہ بے وقت شہنائی کچھ اور ہی چغلی کھا رہی ہے۔

صوفی کانفرنس تو ایک بہانہ ہے

اگر اعلیٰ حضرت یا بریلی شریف کی تعریف ہی کرنی تھی تو الگ سے کتاب لکھ دیتے، صوفی کانفرنس کا بہانہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اِس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں اُنہوں نے بریلی شریف، علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب اور تاج الشریعہ کے خلاف جو مورچہ کھولا تھا، اُن کی گستاخیاں کی تھیں، بروایت مولانا انیس عالم سیوانی اُن دونوں حضرات کو سوکھی ٹہنیوں سے تعبیر کیا تھا اور اُن کے خلاف سیکڑوں صفحات سیاہ کر ڈالے، اب حضرت مصباحی صاحب اُن دونوں حضرات کا قرب چاہتے ہیں اور گھر واپسی کرنا چاہتے ہیں، اسی لیے پچھلے دو مہینے سے صوفی کانفرنس کے کاندھے پر بندوق رکھ کر گولی چلا رہے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مصباحی صاحب نے حضرت علامہ پیر سید تنویر ہاشمی صاحب کے خلاف بغضِ امیرِ معاویہ کے علاوہ بغضِ اعلیٰ حضرت کی تہمت بھی لگائی ہے اور اس کے لیے اُنہوں نے پیر ثاقب شامی کے بعد ہونے والی سید صاحب کی تقریر کا حوالہ دیا ہے۔ یہ سراسر الزام اور بہتان ہے جس کی بنا پر حضرت علامہ یٰسین اختر صاحب نے فرمایا ہے کہ: ''سید صاحب کو اپنی دینی معلومات کا قبلہ درست کرنا چاہیے''۔

آپ پوری تقریر سن لیجیے، اس میں کہیں بھی اعلیٰ حضرت کا نہ تو نام لیا گیا ہے، نہ بریلی کا ذکر آیا ہے، یہ زبردستی یہ افواہ پھیلا رہے ہیں کہ تنویر ہاشمی صاحب نے اعلیٰ حضرت کے خلاف تقریر کی۔ دراصل ثاقب شامی صاحب نے اعلیٰ حضرت کا مقابلہ غوثِ پاک اور خواجہ غریب نواز سے کیا تھا کہ دہشت گردوں کے سامنے غوثِ پاک اور خواجہ غریب نواز کے نام کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے، بلکہ اعلیٰ حضرت کے نام کا اثر ہوتا ہے۔ اس بات کا بے سروپا ہونا سب پر ظاہر ہے، جو یقیناً دونوں بزرگوں کی شان میں صریح گستاخی تھی، جس پر حضرت تنویر ہاشمی صاحب کو اُٹھنا پڑا۔

اسے اعلیٰ حضرت کے خلاف کہنا اعلیٰ حضرت کی حمایت نہیں، بلکہ در پردہ اُن کی مخالفت ہے۔اُن کی تعلیمات سے روگردانی ہے، لہٰذا حضرت مصباحی صاحب قبلہ کو چاہیے کہ وہ اپنی عقیدت ومحبت کا قبلہ درست فرما لیں۔

کوئی امید بر نہیں آتی

قارئین کو یاد ہوگا کہ جب مصباحی صاحب نے امام اعظم کانفرنس کی تھی بریلویوں نے اُسے بغضِ اعلیٰ حضرت سے تعبیر کیا تھا، آج سید تنویر ہاشمی صاحب نے سلطان الہند کے عظیم الشان گنبد کو سب سے بڑا کہہ دیا تو یہی مصباحی صاحب اُن متشددین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُسے بغضِ اعلیٰ حضرت کا نام دے رہے ہیں۔ خیر! یہ گزشتہ حوالے مصباحی صاحب کی خدمت میں پیش کرنا بے سود ہے کیوں کہ اب مصباحی صاحب کے حالات بدل چکے ہیں اور وہ اب مکمل طور سے تحویلِ قبلہ اور گھر واپسی کے لیے تیار ہیں۔

در پردہ جن بدمعاش رضویوں کی تائید حاصل ہے، کم از کم وہی مصباحی صاحب کا کام آسان کر دیں اور حضرت ازہری صاحب سے اُن کی معافی تلافی کرا دیں۔کوئی نہیں تو یہ نیک کام سعید نوری صاحب ہی کرا دیں جن کا دستِ غائبانہ بہت سے فتنہ پروروں کے سروں پر سایۂ شفقت کا کام کرتا ہے اور جن کی خلوتیں مصباحی صاحب کے ساتھ بھی دراز ہوا کرتی ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ مولانا انیس عالم سیوانی نے موصوف کے خلاف ''آئینۂ صلح کلیت'' لکھ کر حضور تاج الشریعہ سے ایک عدد خلافت حاصل کر لی۔ پیر ثاقب شامی نے اعلیٰ حضرت کی شان میں بے موقع دو جملے بول کر اپنے نامۂ اعمال کی ساری سیاہی دھو ڈالی۔غور کیجیے کہ جو شخص 20 مارچ 2016 کو ڈھائی بجے دن تک ''فاسقِ معلن''، تھا، اعلیٰ حضرت کی شان میں چند جملے بول کر ''شیر رضا'' بن گیا، ایسے میں حضرت مصباحی صاحب قبلہ کی شخصیت بڑی قابلِ رحم نظر آتی ہے کہ گزشتہ دو مہینے سے صفحات کے صفحات سیاہ کر گئے، صوفی کانفرنس، ڈاکٹر طاہر القادری اور اب مرکزیتِ بریلی پر مسلسل لکھ رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا تک نہیں۔

حضور مصباحی صاحب قبلہ! اگر آپ واقعی گھر واپسی چاہتے ہیں، پرانی رنجشیں مٹا کر قربت بڑھانا چاہتے ہیں، تو اس کے لیے صوفی کانفرنس کے کاندھے پر بندوق رکھنے کی کیا ضرورت ہے، آپ ڈائرکٹ حضرت تاج الشریعہ کے قدموں سر رکھ کر معافی مانگ لیجیے، بات ختم ہو جائے گی۔لیکن اس کے برخلاف آپ کا یہ گھنونا اِقدام یقیناً قابلِ مذمت ہے۔

صوفی کانفرنس بمقابلہ سنی کانفرنس

ڈاکٹر غلام زرقانی کی سخت جانب دارانہ تحریر

نوشاد عالم چشتی، علی گڑھ، یوپی

”سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس میں فرق“ کے عنوان سے ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کی تحریر نظر سے گزری جسے پڑھ کر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ تحریر پڑھ کر اندازہ لگا کہ صوفی کانفرنس کے حوالے سے کچھ بلیاں تھیلے سے باہر آ گئی ہیں اور کچھ دھیرے دھیرے باہر کا موسم دیکھ کر آ رہی ہیں۔

یہاں سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس کے فرق کو نہیں دکھانا تھا، بلکہ اس فرق کی آڑ میں صوفی کانفرنس کے خلاف اپنے عناد کا اظہار کرنا تھا۔ یہ تحریری داؤں پیچ اہل علم خوب سمجھتے ہیں۔ کم سے کم اُنہیں بے وقوف نہ بنایا جاتا تو اچھا تھا۔ ”سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس“ کے فرق“ کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اُن میں بیش تر باتیں نہ صرف غلط بلکہ صریح کذب پر مبنی ہیں۔

جب کہ سچ یہ ہے کہ:

(1) صوفی کانفرنس کا افتتاح وزیر اعظم نے نہیں کیا تھا، بلکہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے۔ اور افتتاحی اجلاس کے ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے آئے تھے۔

(2) (الف) صوفی کانفرنس میں شرکا کے حوالے سے کوئی کذب بیانی نہیں کی گئی۔ حضرت امینِ ملت نے بورڈ کے ذمے داران سے کانفرنس میں شرکت کا وعدہ کیا تھا، اس لیے اُن کی تصویر ڈالی گئی تھی، سچائی جاننے کے لیے امینِ ملت سے رجوع فرمائیں۔

(ب) حضرت عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ اور مولانا اختر رضا خاں بریلوی کی آمد کے تعلق سے بورڈ کے ذریعے کوئی اشتہار نہیں کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جام نور (شمارہ مارچ 2016) میں جو حضرت سید محمد اشرف کچھوچھوی صاحب کا انٹرویو شائع ہوا ہے، اُس میں اُنہوں نے کانفرنس میں شریک ہونے والے اُن مخصوص افراد کے نام گنائے ہیں، جنہوں نے دعوت قبول کی تھی اور شرکت کی حامی بھری تھی۔

اس فہرست میں نہ تو حضرت عزیز ملت کا نام تھا اور نہ مولانا اختر رضا خاں صاحب کا۔

سوشل میڈیا کے بعض نامعلوم افراد کی اس حرکت پر ذمے دارانِ بورڈ اور صوفی کانفرنس کو متہم کرنا آپ جیسے شریف لوگوں کو قطعی زیب نہیں دیتا۔

(3) آپ نے لکھا ہے کہ سنی کانفرنس کو اہلِ سنت و جماعت کے تمام بڑے مراکز کی حمایت حاصل تھی، یہ بالکل جھوٹ ہے، اگر سنی کانفرنس کو اہل سنت کے تمام مراکز کی حمایت حاصل تھی، تو آپ ہی بتائیں کہ مارہرہ مطہرہ، بدایوں شریف، اجمیر شریف، یہاں تک کہ خانوادۂ کچھوچھہ شریف کی مختلف شاخوں کی مسندِ سجادگی پر متمکن، کن شخصیتوں نے شرکت کی تھی؟

یہاں تو حال یہ ہے کہ حضرت علامہ ارشد القادری کے ساتھ شب و روز وقت گزارنے والے مولانا یٰسین اختر مصباحی ”سنی کانفرنس“ سے اپنا پلہ جھاڑ رہے ہیں اور اُس میں شرکت نہ کرنے پر فالحمد للہ علی ذلک، لکھ رہے ہیں، پھر اہلِ سنت کی دیگر شخصیات اور مراکز کا کہنا ہی کیا؟

(4) آپ نے لکھا ہے کہ ”سنی کانفرنس میں فاضلِ بریلوی رضی اللہ عنہ کی ستائش کرنے والوں کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا گیا۔ یعنی صوفی کانفرنس میں بنایا تھا۔ یہ بات بھی سراسر اِتہام اور جھوٹ ہے۔ پیر ثاقب شامی نے ولی الہند، عطائے رسول حضرت خواجۂ خواجگان کی شان میں توہین کی تھی، یہ کہہ کر کہ دہشت گردوں کے سامنے حضرت خواجہ کی ذات وجہِ امتیاز نہیں ہے، بلکہ فاضلِ بریلوی کی ہے۔ اس لیے پیر ثاقب شامی کی اِس گستاخی کا رد کیا گیا، نہ فاضلِ بریلوی کا۔

(5) آپ نے لکھا ہے کہ ”صوفی کانفرنس“ کے لیے نا قابلِ فہم و ادراک نہیں، بلکہ محال ڈینگیں ہانکی گئیں۔

آپ سے مودبانہ التماس ہے کہ ”علما و مشائخ بورڈ“ کے ذمے داران یا شریک ہونے والے کسی بھی ایک شخص کا نام بتائیے جس نے اس طرح کی ڈینگیں ہانکی گئیں ہوں۔ اگر نہیں تو اس طرح کی غیر شرعی باتوں کو صوفی کانفرنس کے کھاتے ہیں ڈالنا ایک شریف جانشین کا شیوہ نہیں۔

آج میڈیا بے لگام ہے، سوشل میڈیا پر لوگ بے لگام ہیں، وہ خود سے کیا لکھ رہے ہیں، اس کی ذمے داری تو کوئی نہیں لیتا، آپ نے کیسے لے لی؟

(6) ”متحدہ قومیت“ آر ایس ایس کا نعرہ نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کے آئین کی روح ہے جس کے

خلاف ہے آر ایس ایس۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی کے جھانسے میں آ کر اس طرح کی بولی بولنا، آپ جیسے انسان کے منہ سے زیب نہیں دیتا۔

(7) آپ نے لکھا ہے کہ ’’سنی کانفرنس میں حکومت کی کارکردگی پر ببانگِ دہل تنقیدیں ہوئیں اور اُن کے خلاف نعرے لگائے گئے‘‘۔

یہ ایسا جھوٹ ہے جسے بول کر آپ نے اپنے ذہن وفکر کا خوب اچھا تعارف کرادیا ہے۔ ڈاکٹر زرقانی صاحب! لوگوں کی یادداشتیں ابھی اتنی خراب نہیں ہوئی ہیں، وہ لوگ بھی ابھی زندہ ہیں جو سنی کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔

اس کانفرنس میں ایک شخص یعنی خطیب الہند مولانا عبیداللہ خان اعظمی نے کانگریس کے خلاف تقریر کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت علامہ صاحب نے منصوبے پر پانی پھر گیا تھا اور مولانا اعظمی کی حکومت کے خلاف اس تقریر سے حضرت علامہ صاحب بہت ناراض ہوئے تھے، اِس تقریر کا اُنہیں برسوں صدمہ رہا۔ میں تمام قارئین کو دعوت دیتا ہوں کہ اس سچائی کو جاننا ہے تو مولانا اعظمی صاحب، شریک ہونے والے کسی بھی اہلِ سنت کے عالم سے فون کر کے معلوم کرلیں۔

(8) اور سب سے اہم بات جس کو آپ گھول کر پی گئے، یہ ہے کہ ’’سنی کانفرنس‘‘ حکومت کے تعاون سے ہوئی تھی اور سارا وبال اپنے والدِ گرامی کے سر ڈال دیا۔ حضرت علامہ علیہ الرحمہ وہ انسان تھے جنہوں نے کبھی بھی اپنے لیے کچھ نہیں کیا، وہ زندگی بھر مسلک وملت کے لیے تگ ودو کرتے رہے۔

حضرت علامہ کی یہ وہ صفت ہے جس میں اُن کا کوئی شریک نہیں، یہ سچ ہے کہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے کانگریس کے مالی تعاون سے سنی کانفرنس کی تھی، مگر اپنے یا اپنے خاندان کے لیے نہیں بلکہ قوم وملت کے مفاد کے لیے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں اہلِ سنت کا بڑا مرکز ہو۔

اِس کے لیے اُنہوں نے کانگریس سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم تمہاری حمایت کریں گے، بدلے میں اہلِ سنت کا بڑا مرکز بنانے کے لیے ہمیں زمین اور پیسے چاہئیں، اِس سچائی کو جاننے کے لیے کسی اور کے پاس نہیں، اُس وقت کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ کے سیاسی مشیر پنڈت این کے شرما (جو ابھی زندہ ہیں) کے پاس چلے جائیں اور معلوم کرلیں کہ سنی کانفرنس کے لیے اُنہوں نے کتنے پیسے دیے تھے، جس

کی طرف مولانا یٰسین اختر مصباحی نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ: ’’1995-1996 میں جب نرسمہا راؤ کی کانگریس کے زمانے میں مذہبی شخصیات اور مشائخ وسجادگان کو سیاسی طور پر اپنا ہم نوا بنانے کے لیے پیسے کی گنگا بہہ رہی تھی‘‘۔

یہ سچائی ہے، میری نظر میں یہ کوئی معیوب بھی نہیں کہ قوم وملت کے مفاد میں حضرت علامہ ایسا کر رہے تھے، جانشین صاحب کو اس کو چھپا کر عبداللہ اور عندالناس مجرم بننے کی ضرورت نہیں۔ یٰسین اختر مصباحی جیسے دودھ کے دھلے لوگ جنہوں نے برس ہا برس ملائم سنگھ کی چاکری کر کے اب گنگا نہالی ہے، وہ کہیں تو یہ اُن کی فطرت ہے، آپ کیوں سب کچھ جان کر جھوٹ بول رہے ہیں؟

جو لوگ بغض وعناد میں ’’صوفی کانفرنس‘‘ پر حکومت نوازی کا الزام عائد کر رہے ہیں، اُن میں اگر ذرا بھی ایمانی غیرت باقی ہے تو وہ کہیں کہ اِس خاص حیثیت سے صوفی کانفرنس اور سنی کانفرنس میں کوئی فرق نہیں۔

ڈاکٹر غلام زرقانی کی ازحد زہریلی تحریر

محمد ناصر مصباحی

3 مئی 2016 منگل

ہر آدمی میں ہوتے ہیں دو چار آدمی
جس کو بھی دیکھنا ہو، کئی بار دیکھنا

مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی (امریکہ) نے ''سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس میں فرق'' کے نام سے جو دوورقی تحریر قلم بند کی ہے، اُسے پڑھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ کس قدر زہریلے دل و دماغ والے لوگ اس جماعت میں پل بڑھ رہے ہیں۔

ہر دن ایک نئے شخص کا تعارف ہوتا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ ایک متعارف شخص ہی اپنا نیا تعارف کراتا ہے، نئے خواص اور نئے حواس کے ساتھ سامنے آتا ہے، یعنی ایک ہی شخص میں سے ایک نیا شخص نکلتا ہے۔ میں تو یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کیوں اپنے آپ کو لوگ اتنا چھپا کر رکھتے ہیں!

ہم سے مولانا یٰسین اختر مصباحی کے ایک خیر خواہ، اور راز دار رہ چکے اَدھیڑ عمر مصباحی صاحب نے کہا کہ ہمیں بڑا دھوکہ مل رہا ہے۔ اس لیے ہم نے طے کیا ہے کہ آئندہ جب ہم کسی کے بارے میں کوئی تائیدی کلمہ کہیں گے تو یہی کہا کریں گے، کہ ''اب تک تو وہ اچھے بھلے آدمی ہیں''۔ وجہ بتاتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ کوئی پتا نہیں کہ آدمی کب کیسا نکل جائے، اس لیے پیشگی احتیاط ضروری ہے۔

مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی کی دوورقی تحریر پر میں مختصر تبصرہ کروں تو پوری تحریر حسد، کذب، نفاق اور زہریلی شرارت سے بھری ہوئی ہے۔ مولانا غلام اگر اس بحث میں امریکہ سے پڑ رہے تھے، تو ایک سیدھی بھلی، غیر جانب دار اور سچی تحریر قلم بند کر دیتے۔ ہم مولانا کو واقعی ایک مخلص مزاج اور پاکیزہ طبیعت شخصیت سمجھتے تھے۔ مگر پتا نہیں لوگوں کے دل میں کیا کیا بھرا پڑا ہے۔ جناب نے صوفی کانفرنس پر کیا جم کر نفرت کا مظاہرہ کیا ہے، میرے خیال سے نفرت و عداوت میں مولانا اب تک سب سے بازی لے گئے ہیں۔

دونوں کانفرنسوں کے بڑے فرق

ڈاکٹر غلام زرقانی نے اپنی دوورقی تحریر میں سنی کانفرنس جو 1995 میں دہلی کے اندر علامہ ارشد القادری نے کی تھی اور صوفی کانفرنس جسے حالیہ دنوں دہلی میں مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی نے منعقد کیا، کے درمیان موازنہ کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ دونوں کے درمیان فروق و امتیازات دکھائے جائیں۔

مگر گم راہ گری کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں کانفرنسوں میں جو فرق دکھائے گئے ہیں وہ بھارت ماتا کی جئے کا نعرہ، پروفیسر طاہر القادری کی شرکت، محفلِ سماع کا انعقاد، غیر مسلمانوں کو دعوتِ شرکت، متحدہ قومیت کی تائید و توثیق وغیرہ ذکر کیے گئے ہیں، ذکر کا منفی مقصد واضح ہے۔ جب کہ بقیہ باتیں خالص دروغ یا منفی مفہوم کی جبریہ کشید پر مبنی ہیں۔ مولانا نے یہ حرکت انجانے میں نہیں کی، بلکہ دانستہ کی ہے۔

جب کہ وہ تمام بڑے مثبت فروق و امتیازات جو درجِ ذیل کیے جا رہے ہیں اور جنہیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مولانا کی نظروں سے اوجھل رہے، جیسے:

(1) سنی کانفرنس ملکی سطح کی بریلوی کانفرنس تھی.............جب کہ صوفی کانفرنس عالمی سطح کی سنی صوفی کانفرنس تھی۔

(2) سنی کانفرنس بعد نمازِ عشا محض ایک روزہ اجلاس تھا......................جب کہ صوفی کانفرنس (ورلڈ صوفی فورم) سنی علما و مشائخ کا مسلسل چار روزہ پروگرام تھا۔

(3) سنی کانفرنس صرف ایک تقریری جلسہ بھر تھا......................جب کہ صوفی کانفرنس (ورلڈ صوفی فورم) میں خطابی اجلاس کے ساتھ ایک روزہ، گراں اثر، افتتاحی پروگرام (وگیان بھون) اور 18 نشستوں پر مشتمل دوروزہ عالمی علمی صوفی سیمینار (انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر) شامل ہے۔

(4) سنی کانفرنس کا کوئی اعلامیہ نہیں، کوئی تحریری ثمرہ نہیں...............جب کہ صوفی کانفرنس کا 764 صفحات پر مشتمل اردو مجموعۂ مقالاتِ علمی اور 167 صفحات پر مشتمل انگلش مجموعۂ مقالاتِ علمی

تھا۔اعلامیہ وغیرہ الگ۔

(5) سنی کانفرنس کے شرکا میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو، درجن مندوبین کے نام قابلِ ذکر ہو سکتے ہیں.................جب کہ صوفی کانفرنس کے 221 مندوبین کے اسما قابلِ ذکر ہیں، جن میں 44 مندوبین ایسے بھی شامل تھے جو الگ الگ 18 ممالک کے رہنے والے تھے۔

(6) سنی کانفرنس میں بابری مسجد اِنہدام کی مجرم کانگریسی حکومت اور مطعون وزیر اعظم ہند پر کی گئی غیر متوقع تنقید کو علامہ ارشد القادری نے اپنے عظیم پلان (جو دراصل سنیت کے فروغ کا مخلصانہ بڑا پلان تھا) اور بڑے خوابوں کا جنازہ تصور کیا۔ یہاں تک کہ ناقد کے ہزار رونے گڑگڑانے کے باوجود زندگی بھر معاف نہیں کیا.................. جب کہ صوفی کانفرنس کے ذمے داران یا مندوبین، حکومتِ وقت اور وزیر اعظم ہند کے لیے اِس قدر جذباتی ہم درد، قطعاً نہیں دیکھے گئے۔

یہ نہایت ہی بڑے امتیازات تھے جو دونوں کانفرنسوں کے درمیان خطِ فاصل کھینچتے ہیں۔ مگر زرقانی صاحب کو فروق کے طور پر بس، بھارت ماتا کا نعرہ، طاہر القادری کی شرکت، مودی کی آمد، متحدہ قومیت کی تائید وغیرہ دکھائی دیے۔

دوسری بات زرقانی صاحب کو قطعاً لحاظ نہیں آیا کہ سنی کانفرنس میں حکومتِ وقت پر جس تنقید سے اُن کے والد علامہ ارشد القادری کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر گیا تھا اور جس کا غم لیے وہ اِس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اُسے جنابِ فرزندِ ارجمند آج صوفی کانفرنس سے محض حسد و جلن کی وجہ سے مقابلتاً بطورِ امتیاز اور مفاخرت ذکر کر رہے ہیں! کسی نے صحیح کہا ہے کہ ’’حیا ترک کر دے، پھر جو چاہے کر‘‘۔

دونوں کانفرنسوں کا اصل قدرِ مشترک

زرقانی صاحب نے جس طرح دونوں کانفرنسوں کے درمیان فروق دکھانے کی غیر منصفانہ سعی ہے، اسی طرح دونوں کانفرنسوں کے درمیان بنیادی قدرِ مشترک کو بھی دانستہ فراموش کیا ہے۔ ملاحظہ کریں فراموش کردہ اشتراکات:

(1) دونوں ہی کانفرنسیں مسلم اقلیت کے بیچ اپنے وقت کے مطعون وزراے اعظم ہند (نرسمہا راؤ

اور نریندر مودی) کی حمایت و تائید کے بل پر کرائی گئیں.................. بلکہ آج نریندر مودی کے مقابلے اُس وقت کے نرسمہا راؤ زیادہ مغضوب تھے۔ کیوں کہ اُس وقت کا طعن و غضب اتنا زبردست تھا کہ نرسمہا راؤ صد فی صد کرسی ہارنے جا رہے تھے۔

کرسی بچانے ہی کے لیے اُنھوں نے اُس وقت کے اُن سارے بریلویوں پر پیسے کی گنگا بہا کر اُنھیں خرید لیا تھا (جن میں سے بہت لوگ وہ بھی ہیں جو آج صوفی کانفرنس کے ساتھ تعصب کا برتاؤ کر رہے ہیں)۔ جب کہ نریندر مودی کے ساتھ یہ ڈر خوف نہیں۔

(2) دونوں ہی کانفرنسیں فروغِ اہلِ سنت کے ایک بڑے کاز کے لیے حکومتی پیسہ لینے کی غرض سے کرائی گئیں...................... سنی کانفرنس کا مقصد، سنی مرکز یا کالج یا یونی ورسٹی کا قیام، فروغِ تصوف، حج و اوقاف منسٹری میں مشائخِ صوفیہ کی تقرری وغیرہ ہے۔ تفصیل کے لیے اعلامیہ دیکھا جا سکتا ہے۔

میں سمجھ نہیں پایا کہ زرقانی صاحب نے دو ورقی تحریر میں خلافِ مقصود، یہ کیوں لکھا کہ تحریر سے مقصود، صرف دونوں کے درمیان خطِ فاصل کھینچنا ہے اور بس، صحیح و غلط مقصود نہیں۔ جب کہ پوری تحریر صوفی کانفرنس کے خلاف مکر و شرارت پر مبنی ہے۔

سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس کے درمیان جو خطِ امتیاز جناب نے کھینچا ہے، وہ نہایت حسد انگیز، فتنہ پرور بلکہ صحیح یہ ہے کہ موصوف کے فکر و بصیرت کے ’’بھینگے پن‘‘ پر مبنی ہے۔

موصوف نے تحریر کے شروع میں لکھا ہے کہ: ’’برسوں سے لوگ میرے مزاج سے واقف ہیں‘‘، لیکن شاید کچھ کمی رہ گئی تھی جس کا تعارف آپ نے زیرِ تبصرہ دو ورقی تحریر میں کرا دیا ہے۔ آپ نے اپنے مزاج بلکہ ’’ظرفِ باطن‘‘ سے جو تازہ متعارف کرایا ہے، وہ واقعی جامع ہے، کہ ظرفِ باطن ہی ساری مزاجی و فطرتی عادتوں کے ظہور کا مبدء ہے اور اسی سے انسان صحیح طور پر پہچان میں آتا ہے۔

(جھلکیاں)

مصباحی صاحب کی خیالی اور جدالی تحریروں میں مزاحیہ نگاروں کے خیالی کیریکٹروں لاغر مرادآبادی اور لق لق دہلوی کی طرح ہی ایک مجہول ''معتبر راوی'' ہوتا ہے جس کے سہارے وہ اپنے انشائیے کو دلچسپ بناتے ہیں۔ (خوشترنورانی)

مصباحی صاحب کی یہ غیر سنجیدہ اور متکبر طبیعت پچھلے چند سالوں میں بڑی واضح ہو کر سامنے آئی ہے کہ وہ جس کے پیچھے پڑ جائیں اُسے ٹھکانے لگا کر رہیں گے۔ یہی متکبرانہ ضد اُنہوں نے بریلی۔ مبارک تنازع کے دنوں سخت گیر بریلویوں کے خلاف پکڑ لی تھی۔ جب کہ اپنی اسی ضد میں آکر موصوف پوری طرح صوفی کانفرنس کے پیچھے پڑ گئے۔ (ناصر مصباحی)

حضرت مصباحی صاحب قبلہ گذشتہ چند سالوں میں بریلی کی مرکزیت کے خلاف اور اب اُس کی بحالی کے لیے جس انداز میں کوشاں ہیں، اُسے دیکھتے ہوئے اُن کے سبھی خیر خواہ اُن کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں۔ (ناظم اشرف مصباحی)

''سنی کانفرنس اور صوفی کانفرنس میں فرق'' کے عنوان سے ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کی تحریر پڑھ کر اندازہ لگا کہ صوفی کانفرنس کے حوالے سے کچھ بلیاں تھیلے سے باہر آگئی ہیں اور کچھ دھیرے دھیرے باہر کا موسم دیکھ کر آرہی ہیں۔ (ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی)

MAJLIS E FIKRE ISLAMI, HAZRATPUR, TOPKHANA, RAMPUR (UP)I

مجلس فکر اسلامی، حضرت پور، توپ خانہ، رامپور۔ یوپی۔ (انڈیا)